

DAMAGE BOOK

188486

OUP—391—29-4-72—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۵ ی ۰۳۵ Accession No. ۷۷ ۱۳۵۶

Author ح ن غ
حسن نظامی

Title کتاب کا روزنامہ

This book should be returned on or before the date last marked below.

عذری کے افسانے کا

ساقی حیدر

غالب کا وزناچی

مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی

شائع کنندہ

کارکن جلف مشایخ بک پوہلی

قیمت ۱۲

۱۹۲۴ء

صرف سدرق

نور فائن آرٹ پرنٹرز پریس دہلی جو علی اعظم خان مین طبع ہوا

دوسرا

دیس چھ

مسئلہ ۳۲۲ یا ۹۲۲ء میں یہ کتاب پہلی بار چھپی تھی۔ دو سال کے بعد اسے
شوال ۱۳۲۲ھ مطابق جون ۱۹۲۲ء میں دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی ہے
میں اسناد و ارتداد کے کام میں اتنا زیادہ مصروف ہوں کہ اپنے تمام تجارتی
کاموں کو دیکھت اور ختم شدہ کتابوں کی نظر ثانی کرنا میرے لئے مشکل ہو گیا
ہے۔ اس واسطے اس کتاب کی نظر ثانی بھی جسکا وعدہ پہلے ایڈیشن میں کیا تھا
نہ کر سکا۔ بھروسہ حال یہ لکھنا ضروری ہے کہ کتاب مقبول ہوئی۔ اور روزنامہ کو
مکتوبات غالب سے پیدا کرنا نامور اہل قلم کو بہت پسند آیا۔
پہلے ایڈیشن کے وقت اسکے اٹھویں حصہ کا خیال بھی نہ تھا۔ مگر وہ دہلی کی
جائگہ کے نام سے تیار ہوا اور اس قدر پسند کیا گیا کہ اتنے عرصہ میں دو مرتبہ
چھپ کر بیک چکا ہے۔ گویا پہلے حصہ کی طرح یہ آٹھواں حصہ بھی از حد پسند
کیا گیا۔ الحمد للہ علیہ السلام

حسن نظامی

حجرہ ایمان خانہ و گاہ حضرت محبوب الہیؑ

دہلی، یکم مئی ۱۹۲۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غالب کا روزنامہ غدر

۱۸۵۷ء

غدر دہلی کے افسانوں کا ساتواں حصہ

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات چھ حصوں میں شائع کر چکا ہوں ہر حصہ میں ایک ویسا چہ مخصوص بات غدر کے متعلق ہے۔ پہلے حصہ میں وہ قصے ہیں جنکو میں نے بہادر شاہ کے خاندان کی عورتوں، بچوں اور مردوں کی آپ بیتی کیفیت کو ان سے سن کر یا دوسری جگہ سے معلوم کر کے اپنے طریقہ بیان کے اضافہ سے قلمبند کیا۔ اور کئی باریہ کتاب چھپی۔ اس حصہ کا نام انسو ونگی بوندیں ہے۔ دوسرے حصہ میں انگریزوں کی خود نوشت کیفیت ہے یعنی غدریں ان جو مصیبتیں پڑیں ان کو انہوں نے لکھ لیا۔ اس کا نام انگریزوں کی بیتا ہے اور اسکے بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

تیسرے حصہ میں محاصرہ دہلی کی وہ خط و کتابت ہے جو انگریزی فوج کے انگریز افسروں نے محاصرہ دہلی کے مقام پر پنجاب کے انگریز افسروں سے کی اس کا نام محاصرہ دہلی کے خطوط ہے۔

جو تھے حصہ میں بہادر شاہ بادشاہ کے مقدمہ کی مفصل روداد ہے اس کا نام بہادر شاہ کا مقدمہ ہے۔

پانچویں میں وہ خفیہ خطوط ہیں جو غدر کے زمانہ میں بادشاہ نے لوگوں کو لکھے اس کا نام گرفتار شدہ خطوط ہے۔

چھٹے میں اخبارات کے وہ مضامین ہیں جو زمانہ غدر میں شائع ہوئے اور جنگو۔۔۔ غدر میں ایک سبب قرار دیا گیا تھا اس کا نام غدر و ہٹی کے اخبار ہے اب یہ ساتواں حصہ میرے خیال میں سب حصوں سے زیادہ دلچسپ، مؤثر اور دردناک سمجھا جائیگا اگر کوئی جمل پہلے حصہ کو جو میرا لکھا ہوا ہے بہت پسند کیا جاتا ہے مگر حق یہ ہے کہ جب غالب کا یہ روزنامہ شائع ہوگا تو میرا لکھا ہوا پہلا حصہ اس کے سامنے ماند ہو جائیگا کیونکہ میرے لکھے ہوئے حصہ میں قصہ کا مبالغہ ہے اور بہت سی باتیں درد کا اثر بڑھانے کو محض فرضی لکھی گئی ہیں میں نے یہ مضامین جو پہلے حصہ میں جمع کر کے شائع کئے گئے ہیں تاریخی حیثیت سے نہیں بلکہ ہندوستانیوں کو عبرت دلانے اور دنیا کا انجام اور نتیجہ دکھانے کے لئے مختلف موقعوں پر لکھے اور مختلف رسائل و اخبارات میں شائع کرائے تھے اس لئے ان میں کسی قسم کی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ میں نے ان کا نام بدافسانے رکھا ہے تاکہ ان کو تاریخی واقعات نہ سمجھ لیا جائے

غالب کے روزنامہ میں ایک حرف بھی فرضی نہیں ہے بلکہ چشم دید اصل حالات کی تصاویر ہیں۔ اور پھر بیان ایسا صاف، ہستھر اور اسٹل ہے کہ میری عبارت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

غالب کے اس روزنامہ سے دہلی کی عمارتوں، دہلی کے نامور آدمیوں دہلی کی قدیمی معاشرت، دہلی کے پرانے احساسات کا اتنا بڑا تاریخی ذخیرہ

حاصل ہوتا ہے جو کسی غدر دہلی کی تاریخ میں نہیں ملے گا۔
 ایک بات نہایت ہی اہم اس روزنامہ سے ظاہر ہوگی اور وہ یہ ہے کہ
 غدر کی تاریخ لکھنے والے عموماً یا تو انگریز تھے اور یا انگریزوں کے زیر اثر ماسخ اس
 واسطے اس میں واقعات کا ایک ہی سُر دکھایا گیا ہے۔ مگر غالب کے روزنامہ سے
 تصویر کا دوسرا اور بہت ہی پوشیدہ سُر بھی ظاہر ہو جائیگا اور سورخوں کو اس
 سے بہت مدد ملے گی۔

یہ روزنامہ کجاں سے آیا | لوگوں کو حیرت ہوگی کہ غالب کا یہ روزنامہ
 کہاں سے آگیا پہلے تو کبھی اس کا ذکر بھی

ہمیں سنا تھا اس واسطے میں اس حقیقت کو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ غالب
 نے غدر کا کوئی خاص روزنامہ نہیں لکھا تھا نہ غالباً ان کو روزنامہ لکھنے کی عادت
 تھی میں نے یہ روزنامہ خود تصنیف کیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس تصنیف میں ایک
 حرف بھی میرا نہیں ہے اور سب غالب کے قلم سے نکلا ہوا ہے۔

اس معرہ اور جستان کا حل یہ ہے کہ غالب کے خطوط میں جہاں جہاں غدر کا ذکر ضرور
 آیا تھا میں نے پوری تلاش و محنت سے اسکو الگ کر لیا۔ اور ایسے طریقہ سے چھاننا کہ
 روزنامہ کی عبارت معلوم ہونے لگی بس میرا کمال اسی قدر ہے کہ میں نے بغیر پڑی الفاظ
 کے خطوط کو روزنامہ بنا دیا اور کوئی شخص اس کو پڑھ کر خطوط کا شبہ نہیں کر سکتا۔
 غالب کے مکتوبات مطبوعہ وغیر مطبوعہ میں غدر کی کیفیت ایسی دینی ہوئی
 پڑی تھی کہ کوئی شخص اس کی خوبی و اہمیت کو محسوس نہ کر سکتا تھا اور خطوں کے ذیل
 میں ان عبارتوں کو بھی بے توجہی سے پڑھ لیا جاتا تھا۔

میں نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ اردو زبان میں غدر دہلی کی یہ لاشعری
 تاریخ جو مہتمموں سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے اس طرح دینی ہوئی نہ پڑی رہے۔ لہذا

اس کو علیحدہ کرنا شروع کیا۔ اور کہیں کہیں اپنے حاشے بھی لکھے تاکہ آجکل کے لوگوں کو دہلی کی بعض مقامی باتوں سے واقفیت ہو جائے اور جس چیز کا مطلب سمجھ میں نہ آئے حاشیہ کی مدد سے سمجھ لیں *

کوشش کے باوجود غالب کی تحریروں میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کا حل میں بھی نہ کر سکا۔ دوسرے ایڈیشن کے موقع پر مزید تحقیق کی توفیق خدا تعالیٰ نے دی تو اس کی کوپرا کر دیا جائیگا *

روزنامہ کی تیاری میں یہ پیش آیا کہ بعض مکتوبات پر غالب نے تاریخ اور سنہ لکھے ہیں اور

ایک نہایت مشکل کام

بعض پر صرف تاریخ اور دن ہے مگر سنہ نہیں لکھا اور بعض پر نہ سنہ نہ تاریخ ہے اس واسطے ترتیب کا فرض ادا کرنا مشکل ہو گیا کیونکہ کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پہلی عبارت کون سی ہو اور دوسری کون سی۔ ناظرین خود اپنی سمجھ سے اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں

اس روزنامہ میں یہ ہے کہ بعض مضامین اور واقعات دوسری شکل

بہت جگہ آئے ہیں۔ ان کو میں نے اسلئے قائم رکھا اور کم نہیں کیا کہ گو واقعہ ایک ہی ہے مگر طرزِ ادا میں ہر جگہ نئی قسم کی خوبی ہے اور غالب نے اپنے ہر خطاب کو ایسے لطف سے کیفیت لکھی ہے کہ نیا مضمون بنا دیا ہے۔ اور پھر کمال یہ ہے کہ واقعات میں کمی بیشی نہیں ہونے دی۔ جسے غالب کی صدق بیانی پر پوری روشنی پڑتی ہو

حسن نظامی

غالب کا روزنامہ غدر ۱۸۵۷ء

غالب کا نسب نامہ | میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادامیر ماد رار النہر سے
شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان آیا سلطنت ضعیف
ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقار دار نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ
سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اسکے جو طواف المملکت
کا بازار گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میر عبد اللہ بیگ خان بہادر لکھنؤ جا کر نواب
آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدر آباد جا کر نواب نظام علی خاں کا نوکر ہوا
تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے
بکھیرے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختا ورسنگھ کا
نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصیر اللہ بیگ خاں میرا چچا حقیقی مرہٹوں
کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا اس نے مجھے بالائے ۱۸۵۷ء میں جیل لیک
صاحب علی ہوا صوبہ داری کٹھنری ہو گئی اور صاحب کٹھنری ایک انگریز مقرر رہا۔ میری چچا کو جیل
لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سواروں کا برگیدہ ہوا۔ ایک ہزار روپیہ ذات
کا اور لاکھ ڈیڑ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر میں حیات علاوہ سال بھر مزبانی کے بھی کہ بزرگ
ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی۔ وہ اب تک
پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ ۱۸۵۷ء میں
کلکتہ گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست
کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیفہ۔ سرتیج۔ مالائے مرادید
تین روپہ کا خلعت ملا۔ نال بعد جب دلی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا

بعد غدر بیکرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت و دونوں بند ہو گئے میری بریت کی درخواست گزری تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس بعد پنڈ چٹنا اب خلعت معمولی ملا یہ خلاصہ ہے غالب کے نسب نامہ اور زندگی کے بڑے بڑے واقعات کا اتنے اختصار سے اتنی بڑی لائف کا حاصل لکھ دینا معمولی بات نہیں ہے یہ قدرت خدا نے غالب کے قلم کو دی تھی۔

برٹش گورنمنٹ کے موجودہ منصب
ہیں اہل قلم نہیں ہوتے

وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج نے خلافت ڈپوشن ہندوستان کے اراکین سے کہا تھا کہ ترکوں کو تلوار بچانے کے سوا اور آہا ہی کیا ہے۔ ان میں کوئی قلبی بہادر پیدا نہیں ہوا اس کے جواب میں غالب دست و کوٹیشن کیا جاسکتا ہو جو دونوں دہلی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ او لیا میں دفن ہیں کہ امیر خسرو بھی ترک لاجپن تھے۔ اور غالب بھی ترک سلجوتی تھے جیسا کہ اس عبارت میں انہوں نے خود لکھا ہے۔ اب غالب و خسرو کے کمالات علمی و شعری اور فضائل فلسفہ و ادراک حسن انسانی کو دیکھنا چاہئے۔ ان کی ناجواب تصنیفات کو پڑھنا چاہئے انگلش قوم کے علما و فلاسفر زمین جو بات افرا دی تھی وہ ان میں مجموعی تھی یعنی انگریزوں میں ایک خاص فن کا کوئی ماہر ہونا تھا اور اس فن کے سبب اس کی عزت ہوتی اور غالب و خسرو مجموعہ کمالات تھے کہ متعدد فضائل انکے اندر تھے۔

گو کیا ہندوستان کے یہ دو مشہور ترک ہندوستانی وفد خلافت کی طرف سے لائڈ جارج کو یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ترک صاحب سیف بھی

ہوتے ہیں اور صاحب قلم بھی۔ شرم کو واقفیت حاصل کئے بغیر زبان سے
اتنی بڑی بات کہہ دینی مناسب نہ تھی کہ تم ساری برطانی قوم کے قائم مقام ہو

— (*) —

غالب کا علیہ

جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ و رنگ اسکی
ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد

آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے *

جب ڈاڑھی مونچھیں بال سفید آگئے تیسرے دن چوٹی کے انڈے گالوں
پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مہی
بھی چھوڑ دی۔ اور ڈاڑھی بھی تاکہ اس بھونڈے شہر (دہلی) میں ایک درویہ ہے
عام۔ ملا، حافظ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیاریہ، جولاہہ، کنجڑا، منہ
پر ڈاڑھی سر پر بال۔ فقیر تھے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔

— (*) —

اس سے معلوم ہوا جراتی میں بہت طرح دار جوان تھے۔ ڈاڑھی منڈاتے
تھے اور اس وقت کے دستور کے موافق دانتوں پر مہی بھی ملتے تھے۔

— (*) —

غالب کی ازلی طبیعت

علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن بچپن میں سے
محسن گزاری ہوں۔ مبدد فحاش کا مجھ پر احسان

عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی
اور سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل ہارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت
خدا داد۔ تربیت استاد حسن و فح ترکیب پہچاننے، فارسی کے غواض جاننے لگا۔

غالب کا مجموعہ کلام | امیر اکلام کیا نظم کیا شہر کیا آرو کیا فارسی کبھی کسی عہد

میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لیکر جمع کر لیا کرتے تھے۔ سوان کے لاکھوں روپے کے گھرنٹ گئے جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے۔ اُسی میں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے +

غدر کی نسبت غالب کی تصنیف میں نے آغازِ یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۷ء تک رد و

شہر اور اپنی سرگزشت یعنی ۱۵۰ ہینے کا حال نشریں لکھا ہے اور اس کا التزام کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے جو نظم اس نشریں دوج ہے۔ وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں شخص کے نام نہیں بدلے۔



یہ کتاب دستنبو کا ذکر ہے۔ آگے بھی جگہ جگہ اس کی کیفیت مذکور ہوئی ہے اور غالب اسی کتاب کو دیکھنے کے بعد انگریزی حکام اعلیٰ کو غالب کی قدر ہوئی اور شروع کی بیزاری، نفرت اور حقارت اور شبہ جاتا رہا جس کا ذکر کرنا جگہ آیا ہے۔ کیونکہ دستنبو دیکھنے سے پہلے گورنر اور دیگر حکام انگریزی غالب کو معمولی شاعر اور بھاٹ خیال کرتے ہوئے اور بہادر شاہ کا سکہ کہنے کے سبب اور قلعہ میں جاتے آنے کی وجہ سے ان پر پورا شبہ باغیان غدر سے میل جول کا ہو گا۔ مگر جب کتاب دستنبو پڑھی گئی ہوگی اور اس سے غالب کی قابلیت اور غدر سے بے تعلقی ظاہر ہوئی ہوگی تب گورنر اور حکام انگریزی نے پنشن جاری کی ہوگی +



غالب ہشتی نظامی تھے شیعہ نہ تھے
میاں نصیر الدین اولاد میں سے ہیں
شاہ محمد اعظم صاحب کی وہ خلیفہ تھے

مولوی فخر الدین صاحب کے۔ اور میں مرید ہوں اس خاندان کا *



غالب کی نسبت شہرت ہے کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھے۔ اور مکتوبات میں انہوں نے خود بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ میں اثنا عشری ہوں مگر یہاں وہ لکھتے ہیں کہ میں مولوی فخر الدین صاحب کے خاندان کا مرید ہوں جو ہشتی نظامیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔ درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین صاحب میں ان کا مزار ہے اور وہ فرزند تھے حضرت مولانا نظام الدین اور رنگ آبادی کے اور غالب کے اکثر اجاب اور بہار و کا خاندان بھی حضرت مولانا فخر صاحب مذکور کے سلسلہ میں مرید تھا۔ میاں کالے صاحب انہی مولانا فخر صاحب کے پوتے تھے جو بہادر شاہ کے پیر سمجھے جاتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی املاک و جائداد کی ضبطی ہوئی جیسا کہ غالب نے اسی روزنامہ میں لکھا ہے *

پس اگر غالب ہشتی نظامی سلسلہ میں مرید تھے تو شیعہ کیونکہ ہو سکتے تھے کیونکہ شیعہ مرید نہیں ہو کر تے۔ مگر انہوں نے خود لکھا ہے کہ میں اثنا عشری ہوں اس مشکل کا حل یہ ہے کہ ہشتی نظامی فقرا و ران کے مرید میں محبت اہلبیت میں بہت غلو رکھتے ہیں۔ اور بارہ اماموں سے بھی تعلق خاص رکھتے ہیں اس بنا پر غالب نے اپنے آپ کو اثنا عشری یعنی بارہ ائمہ کا ماننے والا لکھا ورنہ وہ شیعہ نہ تھے شیعہ ہوتا تو مرید کے بعد علی گنج شاہ مرداں کے قبرستان میں دفن ہوتے جو صفدر جنگ کے قریب ہے اور جہاں اس وقت کے

تمام شیعہ اُردو فن ہو کر گئے تھے۔ اور اب بھی ہوتے ہیں شیعوں خصوصاً چشتیوں نظامیوں کے قبرستان میں دفن ہونا اور دگاہ حضرت سلطان بنی صاحب میں جو نظامیہ سلسلہ کے باقی ہیں ان کی میت کا لایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ سنی تھے شیعہ نہ تھے۔ انکی قبر بھی سنی طریقہ کی بنائی گئی ہو یعنی اس پر اونچا اونٹ کے کوبان کی صورت کا خشتی تعویذ بنایا گیا ہو شیعوں کی قبریں زمین کے برابر ہوتی ہیں۔ ابھرا ہوا یا اونٹ کے کوبان کی شکل کا تعویذ ان کے ہاں نہیں بنایا جاتا۔

غالب کی قبر پر تاریخ میر مجروح کی کہی ہوئی کندہ ہے جو غالب کے شاگرد اور شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ وہ تاریخ یہ ہے +

کل میں غم داندو میں باخاطر محزون تھا تربت استاد پہ میٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح ہاتھ لے کہا گنج معانی جو تہ خاک

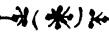
—(*)—

تبہا ہی قلعہ کی پشین گوئی شاعرہ بیاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا قلعہ میں
شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غر خوانی کر لیتے
ہیں میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ
ہے اسکو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے ابکے نہ ہو اور ابکے ہو تو آئندہ نہ ہو۔

—(*)—

یہ نثر پر غدر سے پہلے کی ہو۔ لال قلعہ اور اس کے باشندوں کی نسبت جس انداز سے لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادوں کے اطوار اور ملک کی سیاست کے سچ کو دیکھ کر غائب سمجھ لیا تھا کہ اب یہ رونق چند روز کی رہاں جو گو غدر کی خبر غالب کو نہ تھی کہ غیب کا علم نہ جانتے

تھے۔ پھر بھی ہمارا وقرائن سے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ انگریز اب اس بادشاہی کھلونہ کو سامنے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں جب ہی تو انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ ”یہ صحبت چند روزہ ہے اس کو دوام کہاں؟“ اور یہ لکھ کر تو انہوں نے پیش گوئی کا کمال ظاہر کر دیا کہ ”کیا معلوم ابکہ نہ ہو اور اب کے ہو تو آئندہ ہو“ گویا غالب کو قلعہ کی تباہی کا اتنا یقین تھا کہ ایک دو سال کی قید بھی انہوں نے لگا دی۔



اب دہلی میں کون رہتا ہے؟ کہتے ہیں دلی بڑا شہر ہے۔ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ مگر اب یہ

وہ دلی نہیں ہے بلکہ ایک کمپنیز مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ۔ باقی مراٹر ہنود و معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیۃ السیف ہیں۔ وہ پانچ پانچ سو روپے مہینہ پاتے ہیں اثاث میں سے جو پیرزن ہیں۔ وہ کٹنیاں اور جوائین کبیاں۔ امراے اسلام میں سے اموات گنہ گن علی خاں بہت بڑے باپ کا بیٹا سو روپے کا پنشن دار سو روپے مہینے کا رزینہ دار بنکر نامراد بن گیا میرزا صدر الدین باپ کی طرف سے پیرزاوہ نانا اور نانی کی طرف سے امیرزاوہ مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان، بخشی محمد علی خاں کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے۔ بیمار پڑا۔ نہ دوانہ غذا۔ انجام کار مر گیا۔ ناظر حسین مرزا جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آگیا ہے اس کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ ٹکے کی آمد نہیں مکان اگر چہ رہنے کو مل گیا ہے۔ مگر دیکھئے چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔ بڑے صاحب ساری املاک بچکر نوش جان کر کے بیک بینی و دو گوش بھر پور چلے گئے۔ ضیاء الدین کی پانسو روپے کی املاک و اگرزاشت ہو کر پھر قرق ہو گئی۔ تباہ خراب پھر لاہور گیا وہاں پڑا ہوا ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ قصہ کو تاہ قلعہ اور جھجھور اور بہادر گدھ اور بلب گدھ

اور فرخ نگر کم و بیش تیس لاکھ روپیہ کی ریاستیں مٹ گئیں۔ شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں۔ ہنرمند آدمی کیوں پایا جاتے جو حکما کا حال ہے وہ بیان واقع ہے۔

— (*) —

جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اب دہلی میں نہ صاحب اخلاق و مروت ہیں، نہ علم و ہنر والے ہیں، نہ امرا ہیں، نہ شعرا ہیں۔ نہ پہلے سے علما و فقہار نظر آتے ہیں۔ ان کو غالب کی یہ تحریر پڑھنی چاہئے کہ غدر نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ اور ایسا تباہ کیا کہ آج تک اس شہر میں وہ پہلی سی بات پیدا نہ ہو سکی۔

اب دہلی میں دہلی والے کہاں ہیں؟ پر دیسی لوگ آباد ہیں دہلی والے یا تو پھانسیوں پر لٹک گئے یا جلا وطن ہو گئے۔ پھر اس غریب شہر کو بدنام کرنا اور اس کو قدیمی ناموری اور شہرت کی نظر سے دیکھنا بے عقلی نہیں تو کیا ہے؟

غالب نے یہ تحریر ایسے درد سے لکھی ہے کہ دل پاش پاش ہوا جاتا ہے غم کا نقشہ مجسم ہو کر آنکھوں کے راستہ دل میں گھسا چلا آتا ہے۔

— (*) —

ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہو گیا
لاکھوں مر گئے جو زندہ ہیں ان میں

ہندوستان غدر کے بعد

سینکڑوں گرفتار بند بلا ہیں۔ جو زندہ ہے اس میں مقدور زندگی نہیں۔

مسلمان امیروں میں تین آدمی۔ نواب حسن علی خاں۔ نواب حامد علی خاں سکیم

اب دہلی میں ساہوکاروں کے
سوا کوئی امیر نہیں ہے۔

اسن اللہ خاں، سوان کا یہ حال ہے کہ روٹی ہے تو کھڑا نہیں۔ معذرا یہاں کی اقامت

میں تذبذب نہ اجائے کہاں جاتیں۔ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے

— (✱) —

غدر کے بعد غالب نے دہلی کے مسلمان امرا کی تباہی کا جو جگہ جگہ نقشہ
دکھایا جو آج تک اصلی خط و خال میں موجود ہے کہ خاندانی مسلمان امیر ایک
نہیں رہا ہوگا۔ امیر ہزار ہیں۔ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ تجارت کا
متول نظر آتا ہے حکومت کی موروثی امیری خواب و خیال ہو گئی۔

— (✱) —

پرسوں فرخ میرزا آیا اس کے ساتھ اس کا
نواب فرخ میرزا کا بچپن

باپ بھی تھا۔ پوچھا کیوں صاحب میں تمہارا
کون ہوں یا درتم میرے کون ہو۔ ماتھ جوڑ کر کہنے لگا حضرت آپ میرے دادا
اور میں آپ کا پوتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تمہاری تنخواہ آتی؟ کہاں جناب عالی
آکا جان کی تنخواہ آگئی ہے۔ میری نہیں آتی میں نے کہا لو مارو جائے تو تنخواہ پائے
کہا حضرت میں تو آکا جان سے روز کہتا ہوں کہ لو مارو چلو اپنی حکومت چھوڑ کر
دلی کی رعیت میں کیوں مل گئے۔

سبحان اللہ بالشت بھر کا لڑکا اور یہ فہم درست اور طبع سلیم میں اس کی
خوبی خراور فرخی سیرت پر نظر کر کے اس کو فرخ سیر کہتا ہوں۔

— (✱) —

یہ نواب فرخ مرزا والی لو مارو کا ذکر ہے جن کو برٹش گورنمنٹ
سے سرکانتھابجے اور توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے
دایان ریاست کے برابر عزت کیا جاتا ہے۔ ورمیانہ قد ہے۔ گورا رنگ
کٹوراسی آنکھیں بڑی اور چڑھی ہوئی ڈاڑھی۔ بال سفید ہو گئے ہیں نہایت

خلیق و ملنا رئیس ہیں۔ اردو ایسی بولتے ہیں کہ آدمی میٹھا حیرت سے منہ دیکھا کرے۔ مولانا شبلی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ فرصت ہو تو فرخ میزرا کی باتیں سُنئے کہ اصل اردواں کی باتوں میں ہے۔

غالب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، فرخ میزرا بچپن سے ہونہار تھے۔ ایک فقرہ تو اس غضب کا غالب سے کہا کہ ابھل لوگ سنیں تو تعجب ہوں۔ کیونکہ جنگ یورپ کے زمانہ میں جب نواب فرخ میزرا بصرہ گئے تو عوام نے مشہور کیا کہ وہ انگریزوں کی مدد کرتے گئے ہیں اور انہوں نے اسلامی حکومت کے درو کی پروانہ کی۔ غالب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرخ میزرا طفلی سے ذاتی اور اسلامی حکومت کی خوبی کو محسوس کرتے تھے جب ہی تو انہوں نے کہا ”اپنی حکومت چھوڑ کر دلی کی رعیت میں کیوں مل گئے“

مگر آخر میں ہے فرخ میزرا کی بلاغت پر اس وقت بھی پہلو بجا کر بات منہ سے نکالی۔ دلی کی رعیت کہا انگریزی رعیت نہ کہا۔



اینٹ سے اینٹ بجا دی | کل پچھنہ ۲۵ مئی کو اول روز پہلے بڑے زور کی آندھی آئی پھر خوب منہ برسا۔ وہ جاڑا پڑا کہ تمام کرہ شہر زہریر ہو گیا۔ بڑے دریا کا دروازہ ڈھا گیا۔ قابل عطا کے کوچہ کا بقیہ مٹا گیا کشمیری کٹرہ کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ سڑک کی وسعت دو چند ہو گئی اللہ اللہ گنبد مسجدوں کے ڈھائے جاتے ہیں اور ہندو کی ڈیوڑھیوں کی چٹائیوں کے پرچم لہراتے ہیں۔ ایک شیر زور اور اوپلیٹن بندر پیدا ہوئے۔ مکانات جا بجا ڈھا پھرتا ہے فیض اللہ خاں بگیش کی حویلی پر جو جگہ سے ہیں جسکو عوام گری کہتے ہیں۔ انہیں

سے ہلا ہلا کر ایک ایک کی بنا ڈھا دی۔ اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ واہ رے بندریہ زیادتی اور پھر شہر کے اندر۔ ریگستان کے ملک سے ایک سردار زادہ کثیر العیال عمیر الحال عونی، فاسی، انگریزی تین زبانوں کا عالم دلی میں وارد ہوا ہوا بلیما روں کے محلہ میں ٹھہرا ہے۔ بحسب ضرورت حکام شہر سے مل لیا ہے باقی گھر کا دروازہ بند کئے بیٹھا رہتا ہے۔ گاہ گاہ نہ ہر شام دیکھا غالب علی شاہ کے تکیہ پر آ جاتا ہے۔

غدر کے رفع ہونے اور دلی کے
تسے گورنمنٹ کو ملاقات کبھی منظور نہیں

کہلا چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا۔ آئندہ کو بدستور بے کم و کاست جاری ہوا مگر لارڈ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمولی و مقرری تھا مسدود ہو گیا۔ یہاں تک کہ صاحب سکرٹری بھی مجھ سے نہ ملے اور کہلا بھیجا کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات کبھی منظور نہیں۔ میں فقیر متکبر مایوس دانسی ہو کر اپنے گھر ٹھہر رہا اور حکام شہر سے بھی ملنا موقوف کر دیا۔ بڑے لارڈ صاحب کے ورود کے زمانہ میں نواب لغٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرو مجھ کو کیا ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چہرہ اسی آیا۔ اور کہا کہ نواب لغٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ سوار ہو گیا پہلے صاحب سکرٹری بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا بلکہ تمنائیں بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی یعنی عنایت سے عنایت۔ اخلاق سے اخلاق وقت رخصت خلعت دیا اور فرمایا کہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتے ہیں ماور مزودہ دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت کھل گیا انبالہ دربار میں شریک ہو خلعت پہن۔



باوجود اسکے کہ حکام گورنمنٹ نے کہہ دیا تھا کہ ملاقات کبھی منظور نہیں پھر

پھر غالب کے استقلال اور لگاتار جدوجہد نے اس کو کبھی نہیں کے
قلعہ کو فتح کر لیا اور ملاقاتیں ہونے لگیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انگریزی آئین میں قطعی فیصلہ طے شدہ امر
اور کبھی نہیں بھی بدل جاتے ہیں۔ اگر سامنے والا مسلسل جدوجہد کرنا پڑے
مستمر مارے لے کہا تھا تقسیم بنگال طے شدہ امر ہے۔ اس کی منسوخی
محال ہے۔ مگر بنگالیوں کی کوشش نے اس کو منسوخ کر کے چھوڑا۔



غالب کی چند کتب

بوچ آہنگ کے دو چھاپے ہیں ایک بادشاہی
چھاپہ خانہ کا اور ایک منشی نور الدین کے چھاپہ خانہ
کا پہلا ناقص ہے۔ دوسرا سراسر غلط ہے۔ ضیاء الدین خاں جاگیر دار لوہار و میر
سیسی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں جو نظم و نثر میں نے کچھ لکھا وہ انہوں نے
لیا۔ اور جمع کیا۔ چنانچہ کلیات نظم فارسی چون بچپن جزو اور بوچ آہنگ اور مہر نیم رو
اور دیوان ریختہ سب ملکر سو سو اسو جزو ملے اور مذہب اور انگریزی ابری کی
جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپے کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر
جمع کہ کلام میر اسب ایک جا ہے۔ پھر ایک شاہزادہ نے اس مجموعہ نظم و نثر
کی نقل کی۔ اب دو جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر اٹے
وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ خوان نیما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائے کہیں
سے ان میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلبی ہیں۔ جناب ہنری اسٹوٹ ریڈ
صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ ان کی فرمائش ہے۔ اردو کی نشر انجام پائے تو اس
کے ساتھ ان کو خط لکھوں مگر اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا۔ اور اس
عبارت میں معافی نازک کیونکر بھروں گا۔

باوجود اس کسر نفسی کے غالب کی اردو میں وہ زور ہے کہ آج تک
باوجود ترقی اردو کے کوئی شخص ان کا ہمسار و لکھنے میں پیدا نہیں ہوا۔

— (*) —

مقتولوں اور مجبوروں کی یاد غم مرگ میں قلعہ نامبارک سے قطع نظر
کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں۔ مظفر الدولہ۔

میر ناصر الدین۔ مرزا عاشور بیگ میر ابھانجا اس کا بیٹا۔ احمد مرزا۔ انیس برس کا بچہ
مصطفیٰ خاں ابن عظیم الدولہ اسکے دو بیٹے ارتضیٰ خاں اور مرتضیٰ خاں۔ قاضی
فیض اللہ۔ کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کی برابر نہیں جانتا تھا۔ اے لو بھول گیا حکیم
رضی الدین خاں۔ میر احمد حسین میکش اللہ اللہ۔ ان کو کہاں سے لاؤں۔ غم سراق
حسین مرزا۔ میر مہدی۔ میر سرفراز حسین۔ میرن صاحب خدا ان کو جیتا رکھے کاش
یہ ہوتا کہ جہاں ہوتے وہاں خوش ہوتے۔ گھران کے بے چراغ۔ وہ خود آوارہ بجاو
اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ کہنے کو ہر کوئی
ایسا کر سکتا ہے مگر میں علی گڑھ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندگی
کے فراق میں عالم میری نظر میں تیرہ و تار ہے۔

فقیر اور ہتھیار نہ آئے بھائی فضل و عرب سرا میں رہتے ہیں۔ پرسوں سے آئے
ہوئے ہیں۔ دوڑتے پھرتے ہیں۔ عرضیاں دیتے

پھرتے ہیں۔ کوئی سنتا نہیں۔ آمد و رفت کا ٹکٹ موقوف ہو گیا۔ فقیر اور ہتھیار
جس پاس ہوں وہ نہ آئے۔ اور باقی ہندو مسلمان عورت مرد سوار پیادہ جو چاہے
چلا جائے چلا آئے۔ مگر رات کو شہر میں رہنے نہ پائے وہ شور و غل تھا کہ سڑکیں
ٹکلیں گی۔ اور گوروں کی چھاؤنی بنے گی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ سڑک پر ایک جان نثار خاں
کے چھتے کی سڑک ٹکلی ہے۔ دی والوں نے لکھنوکا خاکہ اڑا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ

لاکھوں مکان ڈبا دیئے۔ اور صاف میدان کر دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوگا۔



اسن عام کے بعد بھی فقیر اور ہتھیاروے کا شہر کے داخلہ سے منع
ہونا ظاہر کرتا ہے کہ حکام انتظامی ضرورت سے ایسا کرنے پر مجبور تھے
کیونکہ بغاوت کے وقت اکثر باغیوں نے فقیروں کے لباس میں دورہ
کریں کے غدر کی آگ بھڑکائی تھی۔



امام باقرہ کا انہدام | آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ
ہے ایک بنائے قدیم۔ ربيع مشہور۔ اس کے انہدام
کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑتی ہیں۔ ایک گھنڈی سڑک اور ایک آہنی
سڑک۔ نل ان کا الگ الگ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارگ بھی شہر
میں بنے گا اور قلعہ کے آگے جہاں لال ڈنگی ہے۔ ایک میدان نکالا جائیگا۔ محبوب
کی دکانیں بھیلیوں کے گھر فیل خانہ، بلاتی بیگم کے کوہنک سوائے لال ڈنگی اور
دو چار کنوں کے آثار عمارت ہانی نہ رہے گی۔ آج جان نثار خاں کے چھتے کے
مکان ڈہنے شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں دلی کے دیرانہ سے خوش نہ ہوں جب
اہل شہر ہی نہ رہے۔ شہر کو کیا چولے میں ڈالوں۔

پشتم نہیں اکھیر سکتا | زبان زد خلق ہے کہ قدیم نوکروں سے باز پرس نہیں
مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ لے لو کئی دن ہوتے
کہ حیدر خاں گرفتار آکا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ جالات میں
ہے دیکھئے کہ حکم اخیر کیا ہو۔ صرف نوندے رے کی جتنا رکاری پر قناعت کی گئی
جو کچھ ہونا ہے وہ کہو رہیگا۔ ہر شخص کی سر نوشت کے موافق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ کوئی

قانون پر نہ قاعدہ ہے نہ نظیر کام آئے نہ تقریر پیش جائے۔ ارتضے خاں ابن مرتضے خاں کی پوری دوسو روپے کی پنشن کی منظوری کی رہو رٹ گئی۔ اور انکی دو بہنیں سو سو روپے مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمھارے بھائی مجرم تھے تمھاری پنشن ضبط۔ بطریق ترجم و سٹیشن روپے مہینہ تم کو ملیگا۔ رحم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہوگا میں خود موجود ہوں اور حکام صدر کا روشناس پشتم نہیں اکھیڑ سکتا۔ ۵۳ برس کا پنشن۔ تقریر اس کا تجویز لارڈ لیک و مینظوری گورنمنٹ۔ اور پھر نہ ملا ہے نہ ملیگا خیر احتمال ہے ملنے کا۔



پشتم کا لفظ آجکل بے تہذیبی میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں سب لکھتے اور بولتے تھے۔ غالب نے لکھا تو دستور عام کے سبب لکھا ورنہ ان کی عادت فحش نویسی کی نہ تھی۔



سب کچھ تم اب تو فکریہ پڑی ہوئی ہے کہ رہے کہاں۔ اور رکھائیے کیا؟ مولنا کا حال معلوم ہوا۔ مراحہ میں حکم دوام جس بحال رہا۔ بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریا شور کی طرف روانہ کروان کا بیٹا ولایت میں اپیل چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ دہلی اور دہلیاں کا پرچہ اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے۔ ورنہ خیر کچھ محل خوف و خطر نہیں ہے۔ حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سکھ کہا نہیں۔ اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچائے کو کہا یہ گناہ نہیں۔ اور اگر گناہ بھی ہے تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معظمہ کا اشتہار بھی اس کو نہ متا سکے۔ سبحان اللہ! گوہ انداز کا بارود بنانا اور توپیں لگانی اور بنک گھر اور میگزین کا ٹوٹنا معاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں؟

ماں صاحب گولہ کا بہنوئی مددگار ہے اور شاعر کا سالہ بھی جانب دار نہیں۔ ایک لطیفہ پرسوں خوب ہوا۔ حافظ مٹوں بے گناہ ثابت ہو چکے۔ ربائی پا چکے۔ حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں۔ املاک اپنی مانگتے ہیں قبض و تصرف تو ان کا ثابت ہو چکا ہے۔ صرف حکم کی دیر۔ پرسوں دو حاضر ہیں۔ مثل پیش ہوئی حاکم نے پوچھا کہ حافظ محمد بخش کون ہے؟ عرض کیا کہ میں پھر پوچھا کہ حافظ مٹوں کون؟ عرض کیا کہ میں اصل نام میرا محمد بخش ہے۔ مٹوں مٹوں مشہور ہیں۔ فرمایا کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش بھی تم۔ اور حافظ مٹوں بھی تم۔ سارا جہاں بھی تم۔ جو دنیا میں ہے وہ بھی تم۔ ہم مکان کس کو دیں مثل داخل دفتر ہوئی۔ میاں مٹوں اپنے گھر چلے آئے۔

—(*)—

بات معمولی تھی۔ حاکم کو اس کا سمجھنا دشوار نہ تھا کہ حافظ محمد بخش نام تھا اور لوگ مٹوں مٹوں کہتے تھے۔ پھر جو جائداد نہ دی گئی تو غالباً کوئی اور وجہ ہوگی۔ ورنہ اتنی سی بات پر مقدار کو اس کے حق سے محروم کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

—(*)—

سننا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے۔ البتہ اس کا معاوضہ بحباب وہ یک سرکار سے ہوگا یعنی ہزار روپے کے مانگنے والے کو ستار روپے ملیں گے۔ اور جو گوروں کے وقت کی غارتگری ہے وہ مدر اور جیل ہے اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔ شاید یہ وہی کمشنر ہوں مکانات حامد علی خاں تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہو گئے۔ باغ کی صورت بدل گئی۔ مجلس را اور کوٹھی میں گورے رہتے تھے۔ اب پھانگ اور ستراسر دکانیں

لے اس کے معنی محاف اور ناقابل گرفت کے ہیں۔

گرا دی گئیں۔ سنگ و خشت کا نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا جب بادشاہ اور
کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کون پوچھتا ہے جو احکام کہ دلی میں صادر
ہوئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں ان کا مرافقہ کہیں نہیں۔ گویا ہم نے بھی کہیں کے
رئیس تھے نہ جاہ و شہم رکھتے تھے۔ نہ املاک رکھتے تھے۔

دلی کی جنگی کے پہلے ملازم

۱۲ بجلی یہاں پنجاب احاطہ کے بہت حاکم
فرما رہے ہیں۔ پون ٹوٹی کے باب میں کونسل

ہوئی۔ پرسوں، نومبر سے جاری ہو گئی سالگ رام خزانچی چھٹا مل۔ ہمیش داس ان
تینوں شخصوں کو یہ کام بطریق امانی سپرد ہوا ہے۔ غلہ اور ایلے کے سوا کوئی چیز ایسی
نہیں کہ جس پر محصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے۔ خلق کا اثر دام ہے۔ آگے حکم تھا
کہ مالکان مکان رہیں کرایہ دار نہ رہیں۔ پرسوں سے حکم ہو گیا کہ کرایہ دار بھی رہیں۔
مگر کرایہ سرکار کو دین۔ حکام بے پروا اختیار کار۔ عدیم الفرصت میں پانک تہ محمد قلی خاں
کبھی یہاں کبھی وہاں۔ وقت پر موقوف ہے حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات شہر
ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازہ سے باہر نہ نکلو اپنے گھر
میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے۔ وہ قاضی کے
حوض پر کرایہ کے مکانات میں مع متوعہ کے رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم ان کو
بھی نہیں۔ مرزا الہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے۔ انہوں نے زمین بکڑی ہی
سلطانچی میں بہتے ہیں عذر کر رہے ہیں۔ دیکھئے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں۔

— (۱۲) —

للاہ سالگرام و چٹا مل صاحب اور ہمیش داس صاحب جنکا ذکر پون ٹوٹی کی
ابتدائی خدمت میں آیا بعد میں بہت نامور ہوئے ہمیش داس کے نام
سے ایک محلہ آباد ہے۔ ملاہ سالگ رام و چٹا مل کی اولاد نیل کے کٹرہ میں

بڑے کروفر سے رہتی ہے اور وہی کے عظیم رئیسوں میں اس کا شمار ہے۔
اسکے افراد کی گورنمنٹ میں بڑی عزت ہے خطابات ہیں۔ لاکھوں روپے
سال کی آمدنی ہے بہت صاف ستھرے، گورے چٹے اور قدامت
کی شان کے یہ لوگ ہیں۔

— (۱۰) —

تصوف اور نجوم

آرائش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا
ہے۔ ورنہ سوائے موزونی طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے
بھیر حال علم نجوم کے قاعدہ کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا
ہوتی ہیں تب سطح فلک پر غلطیاں دکھائی دیتی ہیں جس بُرج میں یہ نظر آئے اس کا درجہ
ودقیقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کی چال ڈالتے ہیں۔ تب ایک گھنٹہ نکالتی ہیں شاہجہاں باد
میں بعد غروب آفتاب غری شہر پر نظر آتا تھا۔ اور ان دنوں میں آفتاب اول میزان
میں تھا۔ تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے۔ درجہ ودقیقہ کی حقیقت نامعلوم
رہی۔ بہت دن شہر میں اس ستارہ کی دھوم رہی۔ اب وہ دس بارہ دن سے
نظر نہیں آتا۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں قہر الہی کی ہیں۔ اور دلیلیں ملک
کی تباہی کی۔ قرآن انجیل پھر کسوف پھر خسوف پھر یہ صورت پرکھ درت۔
عیاذ باللہ وپناہ بخدا۔ یہاں پہلی نومبر کو بدھ کے دن حسب الحکم حکام کو چہ و بازار
میں روشنی ہوئی۔ اور شب کو کہنی کا ٹھیکہ ٹوٹ جانا اور قلمرو ہند کا بادشاہی محل
میں آنا سنایا گیا۔

نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکہ معظمہ انگلستان نے فرزند ارجمند
خطاب دیا۔ اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں قصیدہ پہلے
ہی اس تہنیت میں لکھ چکا ہوں۔

میں نے کیا رصوں میں ۱۵۵۷ء سے اکتیسویں جولائی ۱۵۵۸ء تک روداد
غدر نثر میں اجمارت فارسی نا آمیختہ بعربی لکھی ہے اور وہ پندرہ سطر کے سطر سے چار
جزو کی کتاب اگرہ کو مفید الخلائق میں چھپنے کو گئی ہے و مستنبو اس کا نام رکھا ہے
اور اس میں صرف اپنی سرگزشت اور اپنے مشاہدہ کے بیان سے کام رکھا ہے
پانچ لشکر کا حملہ پے ور پے اس شہر میں ہوا
دلی پر پانچ لشکروں کا حملہ
پہلا باغیوں کا لشکر اس میں اہل شہر کا اعتبار

لٹا۔ دوسرا لشکر خاکپوں کا۔ تیسرا لشکر کال کا۔ اس میں ہزار نا آدمی بھوکے مرے
و آثار ہستی سرا سر لٹ گئے تیسرا لشکر کال کا۔ اس میں ہزار نا آدمی بھوکے مرے
چوتھا لشکر ہریضہ کا اس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے۔ پانچواں لشکر تپ کا اس میں
تاب و طاقت نہ پائی اب تک اس لشکر نے شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر دو
آدمی تپ میں مبتلا ہیں ایک بڑا لڑکا۔ ایک داروغہ۔ خدا ان دونوں کو جلد صحت دے۔
مغل خاں غدر سے کچھ دن پہلے مستقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے کیونکر لکھوں
حکیم رضی الدین خاں کو قتل عام میں ایک خاکی نے گولی مار دی۔ اور احمد حسین خاں
ان کے چہوٹے بھائی اسی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دونوں بیٹے ٹونک
سے رخصت لیکر آئے تھے۔ غدر کے سبب جانہ سکے یہیں رہے۔ بعد فتح دہلی
دونوں بے گناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹونک میں ہیں۔ زندہ ہیں پر یقین
ہے مردہ سے بدتر ہوں گے۔ میر جھوٹم نے بھی بھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں
نظام الدین کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر کے بھاگے تھے وہاں وہ بھی بھاگ
گئے تھے۔ بڑو دیہ میں رہے۔ راورنگ آباد میں رہے حیدر آباد میں رہے سال گزشتہ
یعنی جاڑوں میں یہاں آئے۔ سہ کار سے ان کی صفائی ہو گئی لیکن صرف جان بخشی۔
روشن الدولہ کا مدرسہ جو عقب کو توانی چوہترہ ہے وہ اور خواجہ قاسم کی حویلی حسین

منزل علی خاں مرحوم رہتے تھے وہ اور خواجہ صاحب کی حویلی یہ ملاک خاص حضرت
کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پا کر ضبط ہوئی
اور نیلام ہو کر روپیہ سرکاریں داخل ہو گیا۔ ہاں قاسم جان کی حویلی جس کے کاغذ میاں
نظام الدین کی والدہ کے نام کے ہیں وہ ان کو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ
کو مل گئی۔ فی الحال میاں نظام الدین پاک پٹن گئے۔ شاید بھاول پور بھی جائیں گے

— (۰) (۰) —

غدر کے بعد جب انگریز عجباب سے فرج لیکر دہلی پر چڑھے تو انکی فرج کی
وردی خاکی تھی۔ اس واسطے شہر میں خاکی کا لفظ ایک اصطلاح بن گیا
تھا۔ خاکی کا ذکر حقیقت انگریز کا ذکر سمجھا جاتا تھا۔

میاں نظام الدین صاحب میاں کالے صاحب کے فرزند تھے انکی
جائداد اور رنگ آباد کن میں بھی ہے۔ میاں سیف الدین وغیرہ اس پر قابض
ہیں۔ چالیس ہزار سالانہ کی آمدنی ہے۔ میاں عبد الصمد صاحب لہری تھے جو
میاں نظام الدین صاحب کے نواسہ ہیں اس جاگیر کا دعویٰ کیا ہے اور بالکل
حیدر آباد میں اس کا مقدر پہل رہا ہے۔

— (۰) (۰) —

غدر نہیں خدا کا قہر | غلہ کی گہرائی۔ آفت آسانی۔ امراض و موبی بلائے عانی
انواع و اقسام کے اور ام و شور شائع چارہ ناسو و مند
دستی ضائع۔ میں نہیں جانتا کہ اسی شہنشاہ کو پھر دن چڑھے وہ فرج باغی میرٹھ سے
دلی آئی تھی یا خود قہر الہی کا پے در پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت سابق دلی
مناز سے ورنہ سرتاسر قلم و ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے۔ اللہ۔
لوٹ کی کتابیں کھڑیوں میں | کتاب کوئی سی ہو اس کا پتہ کیونکر لگے۔

لوٹ کا مال کھتر یوں میں بک گیا۔ اور اگر شرک پر بجا تو میں کہاں جو دیجوں سے
 بردل نفس اندوہ گیتی بسر آرید گیریہ کہ گیتی ہمہ کیسر بترید

یہاں کا قصہ مختصر یہ ہے کہ قصہ تمام ہوا۔

غدر کے بعد ایک چھوٹا سا فساد دلی کا حال تو یہ ہے

گھر میں بٹا کیا جو تر اغم سے غارت کرنا وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سوئی
 یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹے گا چند روز گوروں نے اہل بازار کو ستایا
 تھا اہل قلم اور اہل فوج نے باتفاق رائے ہمدگر ایسا بند و بست کیا کہ وہ فساد
 مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے۔

حضرت شیخ کا کلام اور
 صاحبزادہ شاہ قطب الدین

میان کالے صاحب کی خانہ ویرانیاں

ابن مولانا فخر الدین کا بھلا حال؟ ایں دفتر راگاؤ خورد و گاؤ راقصاب برد و قصاب
 در راہ مرد۔ بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں۔ خود سبیاں کالے صاحب کا گھر اس طرح
 تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑ دی۔ کاغذ کا پرزاسوئے کا تاری پشینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ
 کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا۔ کیا ایک اچھے گانوں کی آبادی تھی
 ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور
 میدان میں قبر۔ اسکے سوا کچھ نہیں وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہونگے
 تو خدای جانتا ہو گا کہ کہاں ہیں۔ ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے
 اب جب یہ لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں کیا کروں کہیں سی مدعا حاصل نہوسکیگا۔

— (۱۰۰) —

حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا مزار پرئید کے میدان جامع مسجد
 کے شرق کی طرف دو سو قدم کے فاصلہ پر میدان میں واقع ہے۔ پہلے

چونکہ چوتراہ صاحب سید عبدالغنی کلہی سجادہ نشین کی سعی سے سنگیہ کی سلیں فرش میں لگائی گئی ہیں۔ یہ علاقہ اب تک فوجی قبضہ میں ہے اور یہاں سائیکل بجلہ بنانے کا حکم نہیں ہے۔ نمازی اور زائرین از و زیارت کے وقت دیوہوپ کی مٹھلیں اٹھاتے ہیں۔ پہلے یہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں۔ حضرت شیخ کلیم اللہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بڑے نامور، اور صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں۔ تفسیر کلہی۔ مرقع کشکول کلہی۔ عشرہ کاملہ۔ الابد فی التصوف، مکتوبات کلہی وغیرہ ان کی یادگار کتابیں ہیں۔ حضرت شیخ یحیٰ مدنی چشتی کے خلیفہ تھے، اور حضرت نظام الدین اورنگ آبادی انہی کے خلیفہ اورنگ آباد میں مدفون ہیں۔ میاں کالے صاحب کا نام میاں نصیر الدین تھا جو میاں قطب الدین صاحب کے بیٹے اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے پوتے تھے۔ بہادر شاہ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے والد کے مرید اور دادا کے منظور نظر تھے۔ بلکہ بیگم ایک شہزادی سے انہوں نے نکاح بھی کیا تھا۔ قاسم جان کی لگی میں حکیم اجل خاں صاحب کے محلہ سے غرب کی طرف کالے صاحب کی حویلی مشہور ہے جس میں آج کل پنجابی تاجر دہلی کے رہتے ہیں۔ یہ انہی کی تھی۔ اور غدر میں ضبط ہوئی۔ کوٹوالی اور نہری مسجد کے قریب بھی ان کی جائداد کا ذکر غالب نے کیا ہے۔ اب ان کے نواسہ میاں عبدالصمد صاحب پنڈت کے کوچہ میں رہتے ہیں اور دہلی کے فقراء میں مشہور درویش ہیں۔

» (پڑھ) «

جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت

دہلی کے مفتی اعظم کی بیچارگی

دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ رو بکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحب کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے فنانشل کمشنر اور لفٹننٹ گورنر نے ازراہ ترجم نصف جائداد و انکراشت کی۔ اب نصف جائداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کراہیہ پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی تیں چالیس روپیہ کی آمد لیکن چونکہ امام بخش چہر اسی کی اولاد ان کی عزت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ لہذا فراغ مالی سے نہیں گزرتی۔ ضعیف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثامنہ کے اواخر میں ہیں خدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں +

— (۰) (۰) (۰) —

مفتی صدر الدین صاحب صدر الصدور دہلی کے اکابر علماء و شرفاء میں تھے۔ حویلی صدر الصدور کا تختہ اب بھی میونسپل کمیٹی کی طرف سے کھنڈا ہوا ایک دیوار پر نظر آتا ہے۔ اور جاننے والے کو رلاتا ہے ٹیٹا محل کے سامنے ان کا مکان تھا۔ جس میں خان بہادر غلام محمد حسن خاں حبشہ مرحوم کی سکونت تھی اور اب ان کی اولاد رہتی ہے اللہ اللہ مسلمانوں کی غریب پوری کس شان کی تھی کہ ٹٹنے اور مٹنے جانے کے بعد بھی جبکہ نوے برس کے قریب عمر تھی اور صرف چالیس روپے مہینہ گزاراوقات کے لئے ہاتی بچا تھا۔ مگر اپنے چہرہ اسی کے کنبہ کو پالتے تھے۔

— (۰) (۰) (۰) —

گردش ایام کا قیدی نفاذ بناتا تھا | اللہ اللہ! یہ دن بھی یاد رہیں گے

مجھ کو اکثر اوقات لغافے بنائے میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا تو لغافے بناؤں گا غنیمت ہے کہ محصول آدھ آنہ ہے ورنہ مزہ معلوم ہوتا۔

بقیتہ السیف کا فکر | بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ دو اس میں عزیز بھی تھے۔ یہ سب وہاں سے نکالے گئے۔ مگر

صورت نہیں معلوم کہ کیونکہ نکلے پیادہ یا سوار تھے۔ تنگ دست یا مالدار مستورات کو تو رتھیں دیدی تھیں۔ ذکر کا حال کیا ہوا۔ اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہوا اور کہاں رہے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے موروثی نقد و ترحم ہیں یا نہیں۔ رنگ کیا نظر آنا ہے جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں۔ یہ سب اللہ کو معلوم ہے *

اب کوئی دوست میرے سامنے نہ ملے | یا اللہ اب ان اجاب میں سے کوئی میرے سامنے

نہ مرے۔ کیا معنی کہ جو میں مردوں کوئی میرا یاد کرتے والا۔ اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔ مصطفیٰ خاں خدا کرے مرافعہ میں چھوٹ جائے ورنہ جس ہفت سالہ کی تاب اس ناز پروردہ میں کہاں۔ احمد حسین میکیش مخنوق ہوا پھانسی پائی، گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔ پنشن کی درخواست دے رکھی ہے بشرط اجرا بھی میرا کیا گزارہ ہو گا ماں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بے گناہی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ موافق قول عوام چرلے ولد نہ ہو گا

»(•)«

نواب مصطفیٰ خاں شیعہ بے نظیر شاعر اور فاندانی امیر تھے۔ نواب محمد اسحق خان مرحوم سابق سکرٹری علی گڑھ کالج ان کے صاحبزادہ تھے جنہوں نے ان کے کلام کا مجموعہ چھاپا ہے اور جو حلقہ تبلیغ دہلی میں بکتا جو اس مجموعہ میں غدر کے حالات بھی ہیں اور رمانی کا تذکرہ بھی ہے۔

~*~*~

جب شراب پر پہرہ لگا

دوستوں سے ملنے میں دشواری تھی

مسنے والوں کے گھر و نہیں کون رہتا تھا

سید فتح الدین بیگ خان بہارک بنگ ۳۰ چیلنج کرے۔ ہاں اگر آبادی تو یہ ہے کہ غلام حسن خاں کی حویلی ہسپتال ہے

در ضیاء الدین خاں کے کمرہ میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں ان کے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب
عالیشان انگلستان شریف کہتی ہیں ضیاء الدین خاں اور ان کے بھائی مع قبائل اور عشائروں میں
مال کنوئیں کو محلہ میں خاں لڑتی ہو کر آدمی کا نام نہیں کہہ سکتی کی وکان میں کتے لوٹتے ہیں۔

مجھے عوام کے نقشہ میں نہ لکھ

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے
میرٹھ سے اگر دیہاکہ یہاں بڑی شدت ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی
پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دروازہ کا تھانہ دارموند با بچھا کر شرک
پر بیٹھتا ہے جو باہر کے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اس کو کپڑ کر حوالات میں بھیج دیتا
ہے۔ حاکم کے اس پانچ پانچ بید لگتے ہیں۔ یاد دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے۔ آٹھ دن
قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کر وکون بے
ٹکٹ میٹم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا
جمدار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا بھائی! تو مجھے نقشے میں نہ رکھ۔ میری کیفیت
کی عبارت الگ لکھ۔ عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں نیشن دارموند سے حکم ٹیالے
والے کے بھائی کی جو بی بی میں رہتا ہے۔ نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا اور نہ
گوروں کے زمانے میں نکلا۔ اور نکالا گیا۔ کرنیل بروں صاحب بہادر کے زبانی
حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم
وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عبارت جمدار نے نقشہ کے ساتھ کو توالی میں
بہج دی ہے۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دوکان کیوں بناتے
میں جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈاڈا دو اور آئندہ کو ماحمت کا حکم سننا دو اور یہ بھی
مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے
بقدر مقدور نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ مقرر کرنا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ

اور ٹکٹ لے۔ گھر برباد ہو جائے۔ آپ شہر میں آباد ہو جائیے آج تک یہ صورت ہے۔ دیکھئے شہر کے بننے کی کون مہورت ہے جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں۔ یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں ملک اللہ والحمد للہ +

— (۰) —

کیسی بیکسی میں وہ لوگ تھے جنہوں نے غدر کے بعد کام یہ دم گھوٹنے والا تماشہ دیکھا۔ اور کیسے نادان ہم لوگ ہیں کہ پھر بے امنی کی تباہی کرتے ہیں۔ انسان متلون مزاج اور جلدی بھول جانے والا واقعہ ہوا، امن کی برابر دنیا میں کوئی چیز اچھی نہیں ہے۔

— (۰) —

سوسائٹی کی بربادی کا ماتم | اس چریخ کج رفتار کا برابر ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال۔ جاہ جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ دوشہ تھا۔ چند مغلّس دبے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ نہیں بول لیتے تھے۔

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا فلک اور تو یہاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ وہ صحتیں اور تقریریں۔ آئینوں سے پیاس نہیں بھتی۔ یہ تحریر تلافی اس تقریر کا نہیں کر سکتی۔

— (۰) —

میکش کے پھانسی پانے کے بعد عالم غم عالم ہیں یہ تحریر لکھی گئی ہے ہائے کتنا درد و حرف کے کلبہ میں بھرا ہوا پڑھ کر کلبہ منہ کو آتا ہے۔

— (۰) —

دہلی سے انتہائی محبت
اسکے اجرائیکی خاک بھی آنکھوں میں
جتنی گرداڑی اس سب کو اندر راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی۔

— (۰) —

دہلی سے محبت کرنے کی یہ انتہائی مثال غالب لکھی ہے کہ آنکھیں دیکھتے
آئیں تو اس کا سبب یہ قرار دیا کہ دہلی کے مکان اجازے گئے اور اسکے
متن سے خاک اسی تو اس کو آنکھوں میں بٹھایا۔ گو اسکے اثر سے آنکھیں
دیکھنے لگیں۔

لہنے دھن سے محبت اس طرح کیا کرتے ہیں۔ کوئی آجکل کے عجمان وطن
کو غالب کے یہ چند لفظ سناوے۔

— (۰) —

غالب کو کنوؤں کا غم | اب اہل دہلی ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں۔ باغلیکی میں
یا بچائی ہیں۔ یا گورے ہیں۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی
باقی ہرفن کے قابل لوگ موجود ہیں جس کی نئی پرواہ ہو۔ اب کہاں؟ لطف تو وہ
اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی عیالی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے
بہر حال بیگزرد و بیصیت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال دگی کے کنوئیں
ایک قلم کھاری ہو گئے۔ خیر کھاری ہی ہونی پیتے۔ گرم پانی نکلتا ہے ہر سوں میں سوار
ہو کر کتوں کا حال دریافت کرتے گیا تھا مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک
بے مبالغہ ایک صحرانقی ووق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں
تو ہوا کا مکان ہو جائے۔ مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کو کوئی بانس شیش
تھا۔ اب وہ باغیچے کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند

ہو گیا۔ فصیل کے گنگورے کھلے رہتے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کٹڑہ دھونی واڑہ۔ راجی گنج سعادت خاں کا کٹڑہ جرنیل کی بی بی کی حویلی رام جی داس گودام والی کے مکانات صاحب رام کا باغ حویلی ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ حصہ مختصر شہر صحران ہو گیا تھا اب جو کنوئیں جاتے ہیں اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحران صحرانے کمر بلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں واہ سے حسن اعتقاد اردو بازار نہ رہا اردو کہاں۔ دلی کہاں۔ والہ اب شہر نہیں ہے کیسے۔ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر۔ نہ بازار۔ نہ نہر۔

— (X) —

اس عبارت میں غالب نے دہلی کی ان شاندار عمارات کی بربادی کا نقشہ کینچا ہے جن میں سے اکثر کے نام سے بھی اب دہلی والے واقف نہیں۔ اور میں بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں تھیں۔

معلوم ہوتا ہے غالب کو سب سے زیادہ کنوں کے بندر دینے کا مدد ہے۔ وہ یہ سن کر کہ کنوئیں بند کئے جا رہے ہیں خود گھر سے نکلے تاکہ اپنی آنکھ سے دیکھیں۔ حالانکہ ان کا گھر سے نکلنا آجکل کی طرح کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مشرق والے خصوصاً ہندوستان اور دہلی والے کنوں کے پانی کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان کنوئیں کے پانی سے کسی قسم کی محبت نہیں ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم ابھی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا پانی پینا پڑا ہے پائپ کا۔

پیٹ چلتا ہے۔ آنکھ آتی ہے شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

انگریزوں نے حفظِ صحت کے خیال سے کنوئیں بند کئے تھے کہ ان کا

باقی جلد غراب ہو جاتا ہے۔ مگر اہل مشرق اپنی پرانی عادات کے خلاف کسی مصلحت کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔

تحریر کے شروع میں غالب نے دہلی کی آبادی کے بارے میں سچ لکھا ہے کہ غدر کے بعد ایسی جماعتیں وہاں آکر آباد ہو گئی تھیں جنکو زبان اور تہذیب و علم سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اس لئے آجکل دہلی کی بگڑی ہوئی زبان پر اعتراض کرنا بھی فضول ہے کہ یہ زبان اہل دہلی کی نہیں ہے وہ تو پھانسی پاگئے اور جو لوگ یہ زبان بولتے ہیں وہ دہلی والے نہیں ہیں پر دہلی ہیں *

:(*):

دہلی کی بہاروں کا فشار
اور غالب کی آہِ شہرِ بار

ہر ہفتہ سیرِ جہنم کے پل کی ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلی کہاں۔ ہاں کوئی شہرِ قلم و ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادرہار وسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھئے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں آگے کے درباروں میں سات جاگیردار قصبے کمان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ پھر بہادر گڈہ۔ بلب گڈہ۔ فرخ نگر۔ دوجانہ۔ پاٹودی۔ لوہارو۔ چار سہ دوم محض ہیں جو باقی رہے اس میں سے دوجانہ دلوہارو تحت حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر۔ اگر ہانسی حصار کے صاحب کشن بہادران دونوں کو یہاں لے لئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس۔ دربار عام والے جہا جن لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں میرٹھ میں ہیں مصطفیٰ خاں سلطان جی ہیں مولوی صدر الدین خاں۔ بلی ماروں میں سب دنیا موسوم اسد تینوں مردود و مسطر و دو محروم و منوم

ٹوڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبد بھر بھرا کر کیا آسمان سے بادۂ گلاب گریہ سا گوس
جان تثار خاں کے چہتے کا ڈھنسا۔ خان چند کے کوچہ کا سترک دھنسا۔ بلاتی نیکم کے کوچہ
کا مسارہ ہونا۔ جامع مسجد کے گرد ستر بہتر گزیدان نکلتا۔ اور غالب افسردہ دل۔

— (۱۰۰) —

دہلی کی پانچ بہادروں کا کس اور دسے ذکر کرتے ہیں۔ چاندنی چوک کی وہ
روفتو جاتی رہی۔ قلعہ میں گورے آباد ہو گئے جتنا کے پل کی سیر کا اب
کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ پہلے وہاں آٹھویں دن میلہ لگتا تھا۔ جامع مسجد
کے سامنے شام کو اب بھی بازار لگتا ہے۔ مگر پہلی سی بہار نہیں دیکھ چکے
وہاں کی سیر اب بھی سال بساں ہوتی ہے لیکن اگلی سی آن بان کہان۔

جھجھکے والے نواب اور بلب گڈھ کے راجہ نے قدر کے بعد دہلی
میں پھانسی بانی جھجھکے ضلع ریتک میں شامل ہوا۔ اور بہادر گڑھ بھی اور
بب گڈھ ضلع گڑگاؤہ کو ویدیا گیا۔

یہ عبارت غالباً ۱۸۵۷ء کے آخر میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ گورنر نے
میرٹھ میں دوبارہ ۱۸۵۷ء میں کیا تھا جس کا ذکر غالب نے کیا ہے۔
آخر کی عبارت اس قدر دردناک ہے کہ پتھر کا کلیجہ رکھنے والے
بھی بے اختیار رو دیکھا۔ خبر نہیں غالب کے دل پر کیا کیا اثر یہ انقلابات پیدا
کرتے ہوئے جب ہی تو ان کے قلم سے یہ مخرج کرنے والے الفاظ نکلے

— (۱۰۱) —

برٹش طرز حکومت پر چوٹ | سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار لیا
مگر وہ اختیار ایسا ہو گا۔ جیسا خدا نے خلق
کو دیا ہے۔ سب کچھ اپنے قبضہ قدرت میں رکھا۔ آدمی کو بدنام کیا ہے۔

— (۱۰) —

یہاں جہاں راجہ الور کے اختیار کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر برطانیہ آئین سلطنت پر ایک پرنسٹنٹ ضرب بھی لگاتے ہیں۔ کہ وہ دالیان ریاست کو ایسا اختیار دیتا ہے جیسا خدا نے ہندوں کو اختیار دیا ہے۔ کہ مجبور بھی ہیں اور غنی بھی غالب نے اُس وقت یہ عبارت لکھی کہ مشرقی آئین سلطنت لوگوں کے دل و دماغ پر مسلط تھے اور خلعت انہی کو اچھا سمجھتی تھی۔ آج وہ زندہ ہوتے تو مان جائے کہ پلانا دستور امن کے لئے اتنا مفید نہ تھا۔ بتنا آئین ثابت ہوا۔ دالیان ریاست کو مطلق العنان کر دیئے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ اور سلطنت کو بھی دشواریاں پیش آتی تھیں اور رعایا بھی تباہ ہوتی تھی۔ مگر بڑوں کے آئین جدید سے اس خرابی کا قطعی سد باب کر دیا۔ اور اب غدر شہہ کے بعد سے کسی ریاست کو سرکشی و بغاوت کا حوصلہ نہ ہوگا اور ملک میں امن قائم ہو گیا۔ اس واسطے ہر شخص برٹش آئین کے اس عاقلانہ حصہ کو امن کے خیال سے پسند کرتا ہے اور یہ بُرائی کی چیز نہیں سمجھی جاتی۔

— (۱۱) —

تلج محل کی رہائی

چوک میں بیگم کے بلغ کے دروازہ کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا اس میں سنگ و شست و خاک ڈال کر بند کر دیا۔ بلہاروں کے دروازہ کے پاس کئی دو کانٹیں ہاکر راستہ چوڑا کر لیا۔ شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں ہے۔ پٹن واروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تلج محل۔ مرزا قیصر۔ مرزا جوان بخت کے سارے

ولایت علی بیگ اور جیسپر کی زوجہ ان سب کی الہ آباد سے رہائی ہو گئی۔ دیکھئے یکمپ میں رہیں بالندن جاتیں۔ خلق نے از روئے قیاس جیسا کہ دلی کے نمبر تراشوں کا دستور ہے یہ بات اڑادی ہے۔ سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری شروع سال ۱۷۵۷ء میں عموماً شہر میں آباد کئے جاویں گے۔

— (۱۷۵۷ء) —

یہ عبارت ۱۲ دسمبر ۱۷۵۷ء کی لکھی ہوئی ہے۔ تلج محل بہادر شاہ کی بیگم تعین۔ زینت محل کا کرہ لال کنویں اور فرش خانہ کے وسط میں میرمازار واقع ہے۔ اسکے شاندار دروازہ پر بہادر شاہ کی کہی ہوئی اور خاص ان کی ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ کندہ ہے۔ یہ عالیشان عمارت آجکل مہاراجہ پٹیلالہ کے قبضہ میں ہے۔ قدر کے ایام میں جو امداد انہوں نے انگریزی فوج کی کی تھی اس کے ہنصام میں یہ مکان ان کو دیا گیا تھا۔

تلج محل کا خوبصورت مکان کثرہ خوش حال رائے میں تھا کہ جو ہندوؤں کے مشہور محلہ مالی وارہ کے قریب واقع ہے۔ یہ مکان اب بھی موجود ہے اور اس میں دہلی کے مشہور ساہوکار لالہ رام کشن داس رہتے ہیں جن کے ہاں چاندی سونے کا بیڑا ہوتا ہے۔ لالہ صاحب نے اس کی قدامت کی خوبصورتی کو بھی باقی رکھا ہے اور جدید خوشنما اضافے بھی کئے ہیں۔ مگر زینت محل کے کرہ میں ریاست پٹیلالہ نے کوئی ترقی نہیں کی بلکہ سابق کے آثار میں بھی بوسیدگی واقع ہو رہی ہے اور یہ تاریخی مکان چند دن کا ہماں ہے۔

— (۱۷۵۷ء) —

جامع مسجد کی رمانی

مسجد جامع داگڑا شت ہوئی چنتی قبر کی طرف
سیر ٹھیوں پر کیا بیوں نے دوکانیں بنالیں انڈا

مرغی، کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھرے مرزا الہی بخش۔ مولوی صدر الدین۔
تفضل حسین خان یمن یہ۔ سات اور۔ ۱ نومبر۔ ۱۴۱۰ جمادی الاول سال حال جمعہ
کے دن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے۔ اتالنتہ
وانا الیہ راجعون۔

— (۰) —

جامع مسجد دہلی کے داگڑا شت کرائے میں خان بہادر شیخ الہی بخش صاحب
سی آئی ای محرم رئیس میرٹھ نے دو لاکھ روپیہ یا اسی کے قریب سرکار
کو دیا تھا جب ان کو رہا کیا گیا تھا۔ فتح دہلی کے بعد جامع مسجد میں گورے
سپاہی رہتے تھے۔

جامع مسجد ایام غدر میں باغیوں کا مرکز سمجھی گئی تھی جب انگریزی
فوج نے پہلا دھاوا شہر پر کیا تو وہ جامع مسجد تک آگئی تھی۔ مگر جمعہ کی نماز
کے لئے جو مسلمان اس وقت دہلی جمع ہوئے تھے انہوں نے باہر نکل کر
فوج سے مقابلہ کیا۔ اور لپے لڑے کہ فوج کو کشمیری دروازہ تک داپس
جانا پڑا اور دوسرے دن دوبارہ حملہ کر کے دہلی فتح کر لی۔ جمعہ کی لڑائی
میں میرے والد موجود تھے۔ ان سے میں نے یہ قصہ سنا اور یہی
وجہ جامع مسجد کے غوجی قبضہ کی تھی۔

— (۰) —

میکش چین میں ہے۔ باتین بنانا پھر تارو سلطانی
میں تھا اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین بار میرے

میکش پھانسی سے پہلے

پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا بی بی کو لڑکے کو بہرام پوڑیہ عزیز علی کے پاس ہیجہ پاس ہے۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھر تا ہے۔

— (۱۰۰) —

یہ شعر یہ اس وقت کی ہے جبکہ میکش زندہ تھے۔ اور غدر کی شرکت کا ان پر الزام نہ لگایا گیا تھا۔ درگاہ حضرت سلطان جی میں رہتے تھے۔ مگر بعد میں ان کو بغاوت کے مشبہ میں گرفتار کیا گیا۔ اور بھانسی دی گئی۔ اسی روز نامہ میں غالب نے کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔ میکش کے باپ گولی سے قتل ہوئے اور ان کو بھانسی دی گئی۔

— (۱۰۱) —

کشمیری کٹرہ کی مساری | کشمیری کٹرہ گر گیا ہے، دو اونچے اونچے در، اور وہ بڑی بڑی کوٹھریاں دور و قریب نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوں۔

— (۱۰۲) —

پرینڈ کے میدان کو دربارہ ۱۵۸۵ کے امام میں جب ہوا رکھا جا رہا تھا تو سینکڑوں مکانات کے آگے دھبے ہوئے نکلتے تھے یہاں تک کہ چار بابیوں کے پایہ تا تا گونہنے کے کونڈے اور گھروں کے برتنے کی چیزیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب یہاں کے بازار اونچے مسار کئے گئے تو رہنے والوں کا سامان بھی اس میں دب گیا۔

خیال یہ تھا کہ گنجان غلوں اور بازاروں کا توڑنا ہوا صاف کرنے کے لئے تھا۔ مگر ۱۵۸۵ میں یہ نشانیاں دیکھ کر کہا جانا تھا کہ مساری جوش انتقام سے بھی تعلق رکھتی تھی۔ جب ہی تو اس بے دردی سے خانہ واری کے حساب کو بھی مایا میں نہ کر دیا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ غالب حبس

تباہی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا قلم آسو ہوتا جاتا ہے۔

— (۰) —

حبِ دہلی پر ٹیکس لگائے گئے | شہر میں ہون ٹوٹی کوئی چیز ہے وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور ایلے کے

کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فیٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں جو بلیاں ڈھائی جاویں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کو بیچہ شاہ بولا کے بڑھ تک ڈھسے گا۔ دونوں طرف پھاؤڑہ چل رہا ہے۔

— (۰) —

ہون ٹوٹی (جنگی) کوئی چیز ہے۔ کہکر غالب نے تڑپا دیا۔ طعن کا نہایت پر لطف انداز ہے۔ سوائے اناج اور ایلے کے ہر چیز پر ٹیکس (محصول) لگ جانا غالب جیسے شخص نے یقیناً نہایت حقارت سے محسوس کیا ہو گا چار پانچ فقروں میں نئی حکومت کے طرز حکمرانی کو بیان کر دینا غالب ہی کا کام تھا۔

— (۰) —

دہلی کے غارت شدہ بازار | شہر ڈھ رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار۔ اردو بازار اور غلام کا بازار

کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے صاحبانِ امکنہ و دکانیں نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی۔ برسات بھر منہ نہیں برسا۔ آبِ تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔ غلہ گراں ہے۔ موت ارزاں ہے۔ موسے کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی وال آٹھ سیر۔ ہاجرہ۔ بارہ سیر

گیبھوں ۱۳ سیر۔ چنے ۱۶ سیر گھی ۱۲ سیر۔

—: (بجڑ) :—

یہ تینوں بازار دریا گنج (فیض بازار) کی سڑک کے خاتمہ سے شروع ہوتے تھے۔ جہاں اب پردہ باغ۔ ایڈرڈ پارک۔ وکٹوریہ ہسپتال اور پریڈ کامیدان واقع ہے۔

اس وقت کی گرائی جس کا حال لکھکر غالب حیران ہیں آجکل کی گرائی کے مقابلہ میں ارزانی ہے۔ اب ماش کی وال ۳ سیر گندم ۴ سیر باجرہ ۴ سیر اور گھی آدہ سیر ہے۔ یہ نرخ پہلی اشاعت کے وقت کا ہے۔

—: (بجڑ) :—

بہادر شاہ کے سکے کہنے کا الزام | سکے کا وار تو مجھ پر ایسا چلا کہ جیسے کوئی چھڑا یا کوئی گراب کس سے کہوں۔ کس کو

گواہ لاؤں۔ یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں۔ یعنی جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دونوں سکے لکھکر گزرائے بادشاہ نے پسند کئے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقدین میں تھے۔ انہوں نے اپنے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں سکے چھاپے۔ اس سے علاوہ اب وہ لوگ بھی موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانہ میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے سنے ہیں۔ اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے اور گزرائے ہوئے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند قلم و ہنڈ میں دلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈا۔ کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ وصف مجھ پر سامانٹن بھی گئی۔ اور وہ ریاست کا نام و نشان، خلعت و دربار بھی مٹا۔

۱۔ مولوی محمد باقر غالب شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے والد یا کوئی عزیز ہو گئے۔ ان کے اردو اخبار کا ذکر غدر کے اکثر حالات میں آتا ہے۔ (حسن نظامی)

مسک کی حقیقت کہنے میں جو سادہ پراثر اور شاعرانہ تلازمہ بڑا گیا ہے
وہ زبان غالب کا بہترین نمونہ ہے ناظرین غور سے دیکھیں۔

*** (۸) میو ***

دوغ دار دہلی | رفع فتنہ و فساد اور بلاد میں مسلم یہاں کوئی طرح آسائش کی
نہیں ہے۔ اہل دہلی عموماً بڑے شہر گئے۔ یہ داغ الکی جبین
حال سے عموماً مست نہیں سکتا۔

دہلی میں مارشل لا | رہنما شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا
ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو۔ اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت
ہے۔ دلی کی عمارتیں میرٹھ و اگرہ اور بلا و مشرقیہ کے مثل نہیں ہے۔ یہ پنجاب احاطہ میں
میں شامل ہے۔ نہ قانون نہ آئین جس حاکم کی ہوائے میں ہو وہ ویسا ہی کرے۔

*** (۹) پو ***

غالب نے مارشل لا کے چہرہ کو جگہ جگہ جس اختصار اور جس احتیاط و مگر جس
بیباکی سے لکھا ہے وہ اجمل کے سیاست نگاروں کے لئے قابل تقلید ہے۔

*** (۱۰) پو ***

امن کے اشتہار کے بعد | حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے۔ لڑنے والے
آئے جاتے ہیں اور آلات حرب و ہتھیار و دیگر توقع آزادی پاتے ہیں۔

*** (۱۱) پو ***

یہ عبارت ۱۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو لکھی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
سب باغیوں کو امن مل گیا تھا۔ مگر اس کے بعد ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کو
غالب کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے اندر مسلمانوں کو بغیر
ٹکٹ کے آنے کی اجازت نہ تھی غائبانہ انتظام بعض حکام مقامی نے ایسا

کیا ہوگا۔ درہ ملک و کٹورہ اس عام کا ہشتار ہے کچی تھیں جو شہنشاہ میں
شائع ہو گیا تھا۔

— (•••) —

ایک شخص کو اس بات میں ہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدخر
مل گیا باقی چڑھوئے روپے کے باب میں اور آئندہ ماہ

بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ سوال امیر خسرو کی اٹلی ہے جیل بسولا
لے گئی تو کاہے پھنکوں راب“ علی بخش خاں بچپس روپے مہینا پاتے تھے۔ باتیں
ہینے کے گیارہ سو روپے ہوتے ہیں۔ ان کو چھ سو روپے مل گئے۔ باقی روپیہ چڑھا
رہا۔ آئندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں۔ غلام حسن خاں سو روپے ہینے کا پنشن دار۔ باتیں
ہینے کے باتیں سو روپے ہوتے ہیں۔ اس کو بارہ سو ملے۔ دیوان کشن لال کا
ڈیڑہ سو روپے مہینا۔ باتیں ہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں۔ اس کو اٹھارہ سو
ملے۔ مناجدار دوش روپے ہینے کا سکھ لبر سال بھر کے ایک سو بیس لے آیا
اسی طرح پندرہ سو لہ آدمیوں کو ملا ہے۔ آئندہ کے واسطے کسی کو کچھ حکم نہیں۔

جھکو پھر مد و خرچ نہیں ملا جب کئی خط پر خط لکھے تو اخیر خط بہ صاحب کشتہر بہادر
نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مد و خرچ سو روپے ملجادیں میں نے وہ سو روپے
نہ لے۔ اور پھر صاحب کشتہر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپے آٹھ اٹھانے مہینا پانیولا
ہوں۔ سال بھر کے ساڑھے سات سو روپے ہوتے ہیں سب پنشن داروں کو
سال بھر کا روپیہ جھکو سو روپے کیسے ملتے ہیں۔ مثل اوروں کے مجھے بھی سال
بھر کا روپیہ مل جاوے۔ ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔ آبادی کا یہ رنگ ہے
کہ ڈہنڈ ہوا پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر اجڑن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے
گئے۔ ولی کے حجاجو باہر پڑنے ہوئے ہیں منہ کھول کر رہ گئے۔ اب جب وہ

معاذوت کرینگے تب شاید آبادی ہوگی۔ یا کوئی اور نئی صورت نکل آئے۔

— (۱۰) —

یہ تقریر فروری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ
۱۸۵۸ء میں ہشتہارا من کے بعد بھی حکام انتظامی نے دہلی کے
آباد ہونے میں احتیاط کی تھی۔

— (۱۱) —

دریا میں غالب تھے اور مہاجن

رگ قلم کی خونابہ فثانی۔ دیکھو رگور
عظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا

صاحب کسٹرن بہادر دہلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین بقیۃ السیف تھے
ان کو حکم دیا اور دربار عام میں سے سوائے میرے کوئی نہ تھا۔ یا چند مہاجن مجھ کو
حکم نہ پہنچا۔ جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا میں اپنی
عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہنچا۔ مولوی اظہار حسین خان صاحب بہادر سے
ملا چیف سکریٹر بہادر کو اطلاع کی جواب آیا کہ فرصت نہیں میں سمجھا کہ اس وقت
فرصت نہیں، دوسرے دن پھر گیا میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ آیا م غدر میں تم
باغیوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ اُس دن
چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام لکھ کر ان کو بھیجا مضمون یہ کہ
باغیوں سے میرا اختلاط منطقتاً محض ہے۔ امید دار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہو۔ تاکہ
میری صفائی اور یگانہ ہی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر جواب نہ ہوا۔ اب ماہ گزشتہ
یعنی فروری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لاڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہم
تحقیقات نہ کریں گے پس یہ مقدمہ طے ہوا۔ دربار و خلعت مسدود و نیشن موقوف
وجہ نامعلوم۔ لا موجود الا اللہ ولا موشرفی الوجود الا اللہ ۱۸۵۸ء میں نواب علی مسعود علی

یوسف علی خاں بہادر والے راہپور کہ میرے ہشتائے قدیم ہیں، اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ ناظم ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس بچیں غزلیں اردو کی بھیجے میں صلاح دیکر پہنچ دیتا۔ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری انگریزی پٹن کہلا ہوا۔ ان کے عطا یا فتوح کئے جاتے تھے۔ جب یہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں تو زندگی کا مدار ان کے عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں غدر کرتا تھا۔ جب جنوری ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ اوپر لکھ آیا ہوں تو میں آخر جنوری میں راہپور گیا۔ چھ سات ہفتے وہاں رکھ کر آیا۔

۱۸۶۰ء میں لاڑ صاحب بہادر نے میرے گھر میں دربار کیا۔ صاحب

غالب کے استقلال نے فتح پائی

کشنر بہادر دہلی کو ساتھ لے گئے۔ میں نے پوچھا کہ میں بھی چلوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ جب لشکر میرے گھر سے دہلی میں آیا موافق اپنے دستور کے روز درود شکر بخیم میں گیا۔ میری منشی صاحب ملا۔ ان کے خیمہ سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرر بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب آیا کہ تم غدر کے زمانہ میں بادشاہی باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں۔ گدا مبرم اس حکم پر ممنوع نہ ہوا جب لاڑ صاحب بہادر حکومت پہنچے۔ میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم مسجد باسع اس حکم کے واپس آیا کہ آپ یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس مطلق ہو کر بیٹھ رہا۔ اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔ واقعہ اوخر ماہ گزشتہ یعنی فروری ۱۸۶۲ء کو اب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب دلی آئے۔ اہالیان شہر صاحب ڈپٹی کشنر بہادر صاحب کشنر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانہ محض اور مہرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا کسی سے نہ ملا۔ دربار ہوا، ہر ایک کا منگوا ہوا۔ شنبہ ۸ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ صاحب کے خیمہ میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ

صاحب سکرٹر بہادر پاس بیجا بلایا گیا۔ مہربان پاکر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی۔ وہ بھی جملی ہوئی۔ دو حاکم جلیل القدر کی وہ عنایتیں دیکھیں جو میرے تصور میں بھی نہ تھیں۔ بقیہ روداد یہ ہے کہ دو شنبہ دوم مارچ کو سواد شہر مخیم خیام گورزی ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی انبیا حسین خاں بہادر کے پاس گیا۔ اتفاقاً گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دوبارہ خلعت بدستور بحال و برقرار رہے۔ تیترانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیونکر؟ حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے اگر تمہارے علاقہ کے سب کا غذا انگریزی و فارسی دیکھے۔ اور باجلاس کو نسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خاں کا دوبارہ اور نمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس صل پہ متفرع ہوا؟ فرمایا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں بس اتنا جانتے ہیں کہ یہ حکم دفتر میں لکھوا کر ۱۴ دن یا ۱۵ دن بعد ادھر کو روانہ ہوئے ہیں میں نے کہا۔ سبحان اللہ

کار ساز ما بفکر کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

سہ شنبہ ۲۳ مارچ کو ۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا خلعت عطا کیا۔ اور فرمایا کہ لا رہا صاحب بہادر کے ہاں کا دوبارہ خلعت بھی بحال ہے۔ انبالہ جاؤ گے تو دوبارہ خلعت پاؤ گے۔ عرض کیا گیا حضور کے قدم دیکھے خلعت پایا۔ لا رہا صاحب بہادر کا حکم سن لیا۔ نہال ہو گیا۔ اب انبالہ کہاں جاؤں جیتا رہا تو اور دربار میں کامیاب ہو رہوں گا

کار دنیا کے تمام نہ کرد ہر چہ گیرید مختصر گیرید

نیشن قدیم کیس ہمینہ سے بند۔ اور میں سادہ دل
فتوح جدید کا آرزو مند نیشن کا احاطہ پنجاب کے

سر ولیم میور اور غالب

حکام پر ملا رہے۔ رسواں کا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے کہ روپیہ دیتے ہیں، نہ جواب

نہ مہربانی، نہ عتاب، خیر اس سے قطع نظر کی برائے اسے بموجب تحریر وزیر اودھ عطیہ شاہی کا امیدوار ہونا متعاضا کرتے ہوئے سٹراماؤں اگر گنہگار نہ رہتا تو گولی یا پھانسی سے مرتا۔ اس بات پر کہ میں بے گناہ ہوں مقید اور مقتول نہ ہونے سے آپ اپنا گواہ ہوں پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ میں جب کوئی کاغذ بھجوا یا ہے۔ بقلم چیف سکریٹریہاؤ اس کا جواب پایا ہے۔ اکی بار دو کتا ہیں بھیجیں۔ ایک انگلش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے نہ اس کے قبول کی اطلاع۔ نہ اس کے ارسال سے آگاہی ہے جناب لیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی انکی بھی کوئی تحریر چھو نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف اب خبریں ہیں مختلف کہتے ہیں کہ چیف سکریٹریہاؤ گورنمنٹ گورنر ہو گئے یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان کی جگہ کون سے صاحب عالی شان چیف سکریٹریہاؤ ہوئے۔ مشہور جناب ولیم میور صاحب بہادر صدر بورڈ میں شریف لے گئے یہ کوئی نہیں کہتا کہ لفٹنٹ گورنری کے سکریٹری کام کس کو دے گئے۔

۵

انگریزوں کے احسان کی یاد
شریف ہندوستانی کے دل میں
جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج
تشریف لے گئے سنتا ہوں کہ کلکتہ
جائیں گے میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر
پھر آئیں گے مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں۔ اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت
تک ان کا شکر گزار رہوں گا۔

غدر میں تم کہاں تھے
خدا جب کا بھلا کرے۔ مجھ کو ڈپٹی کمشنر نے
بلا بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم دل
تھے؟ جو مناسب ہوا وہ کہا گیا۔ دو ایک خط آمدہ ولایت میں نے پڑھائے تفصیل
لکھ نہیں سکتا اندازاً اسے پنشن کا بحال و برقرار رہنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر
ہندوہ مینے پچھلے طے نظر نہیں آتے۔

غالب کی مغلی کی کوتوالی میں

یہ تو آفت وئی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے۔ لکھنؤ کے سوا اور شہروں میں عمارت کی وہ

صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے۔

”ٹکٹ آبادی و ردین شہر ملی بشرط ادخال جرمانہ“۔ مقدار روپے کی حاکم کی رائے ہے۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار یوم تعطیل ہے۔ پریوں و دشنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں۔ یہ تو کیفیت شہر کی ہے۔ میرا حال سو بائیس چھینے کے بعد پریوں کو تو ال کو حکم آیا ہے کہ اسد اللہ خاں پنشن دار کی کھلی لکھو کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے کہ نہیں۔ کو تو ال نے سوافی ضابطہ کے مجھ سے چار گواہ مانگے ہیں۔ سوکل چار گواہ کو تو ال چوبترے جائیں گے۔ اور میری مقدوری ظاہر کرائیں گے کہیں یہ نہ سمجھنا کہ بعد ثبوت مغلی چڑھا ہوا روپیہ مل چکا اور آئندہ کو پنشن جاری ہو جائیگا۔

— (×) (×) —

کو تو ال میں اظہار مغلی کے واقعہ کو کس رقت خیر انداز سے لکھا ہے کہ مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ اس پر بھی یہ یقین نہیں کہ نتیجہ مفید نکلیگا۔

— (×) (×) —

شرفا کی تصویر افلاس

پنشن کا حال کچھ معلوم نہیں۔ حاکم خط کا جواب نہیں لکھتا۔ علمہ میں ہر چند نقص سمجھے کہ ہائے

خط پر کیا حکم ہوا۔ کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ بہر حال اتنا سنا ہے اور دلائل اور قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ میں بے گناہ قرار پایا ہوں اور چوٹی کشترباد کی رائے میں پنشن پانے کا استحقاق رکھتا ہوں پس اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم نہ کسی کو خبر میں لکھا ہے

کہاں سے چھو اتا۔ روٹی کھائے کو نہیں۔ شراب پیئے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں
حاجان تو شک کی فکر ہے۔ کتابیں کیا چھو اوٹکا۔

— ﴿﴾ —

یہ غالب نے اپنا ہی حال نہیں لکھا۔ بلکہ غدر کے بعد جو حالت شرفائے
دہلی کی ہو گئی تھی اس کی تصویر بھی دکھا دی ہے۔
جو لوگ بے اسمی کے خواستگاریں۔ ان حالات کو ذرا نظر عبرت
سے پڑھیں۔

— ﴿﴾ —

گورنر جنرل نے غالب کی قدرانی کی
صاحب کشف بہادر دہلی یعنی
جناب سائڈرس صاحب

بہادر نے مجھ کو بلایا۔ پنجشنبہ ۲۴ فروری کو میں گیا۔ صاحب شکار کو سوار ہو گئے
تھے میں انشا پھر آیا جمعہ ۲۵ فروری کو گیا۔ ملاقات ہوئی۔ کرسی دی۔ بعد پریش
مزاج کے ایک خط انگریزی چاروں کا اٹھا کر پڑھتے رہے جب پڑھ چکے تو مجھ سے
کہا کہ یہ خط ہے منگھوڈ صاحب حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا تمہارے باب میں لکھتے
ہیں کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو۔ سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت
کیا مانگتے ہو؟ حقیقت کہی گئی۔ ایک کاغذ آمد ولایت لے گیا تھا وہ پڑھوا دیا۔
پھر پوچھا۔ تم نے کتاب کیسی لکھی ہے؟ اس کی حقیقت بیان کی۔ کہا ایک منگھوڈ
صاحب دیکھنے کو مانگتے ہیں اس ایک ہم کو وہ میں نے عرض کیا۔ کل حاضر کروں گا
پھر نشن کا حال پوچھا۔ وہ گزارش کیا، اپنے گھر آیا۔ اور خوش آیا۔ حاکم پنجاب کو مقدمہ ولایت
کی کیا خبر۔ کتابوں سے کیا اطلاع نشن کی پریش سے کیا مدعا یہ تفسار حکم نوا
گورنر جنرل ہوا ہے اور یہ صورت مقدمہ نسخہ وغیرہ دہلی ہے۔

کتاب دستنویز گورنر جنرل کے خیالات غالب کی طرف منسوب کئے
جیسا کہ میں نے ایک جگہ لکھا ہے۔ اس عبارت سے اس خیال
کی مزید تائید ہوتی ہے۔

— (۱۶۰) —

دربار لارڈ صاحب کا میرٹھ میں ہوا ولی

۱۸۶۰ء میں املاک داگرازاشت

دہلی میرٹھ گئے موافق دستور قدیم مل آئے غرض کہ یکشنبہ ۲۵ دسمبر کو پھر دن چڑھے
لارڈ صاحب یہاں پہنچے۔ کابلی دروازہ کی تفصیل کے لئے ڈیرے ہوئے۔ اسی وقت
توپوں کی آواز سننے ہی میں سوار ہو گیا۔ میرٹھ سے ملا۔ ان کے عیمہ میں بیٹھ کر صاحب
سکرٹری کو فیر کروائی جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ یہ جواب سن کر نو میدی کی پوٹ باندھ کر
لے آیا۔ ہر چند پیش کش کے باب میں ہنوز لا و نعم نہیں مگر کچھ فکر رہا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا
ہے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانے واسطے ہیں۔ یہاں کچھ کلام و پیام نہیں۔ ممکن
تحریر ڈاک میں بھیجی جائے گی۔ دیکھتے کیا صورت پیش آئے گی۔ مسلمانوں کی املاک
کے داگرازاشت کا حکم عام ہو گیا ہے۔ جن کو کراہیہ پر ملی ہے ان کو کراہیہ معاف ہو گیا
ہے۔ آج یکشنبہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء ہے پھر دن چڑھا ہے۔

— (۱۶۱) —

۱۸۵۵ء کے اعلان ملکہ وکٹوریہ سے صرف جان بخشی ہوئی تھی جائداد

کی رہائی خصوصاً مسلمانوں کی املاک کی داگرازاشت ۱۸۶۰ء میں ہوئی تھی
کہ غالب نے لکھا ہے۔

— (۱۶۲) —

غالب لکھتے گورنر جنرل

گورنر غالب کے بسیار مرہبان دوستان

غرب و شمال کو نینہ و ستنبو بسیل ڈاک بھیجا تھا۔ اُن کا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت و مودت بسیل ڈاک آگیا۔ پھر قصیدہ بہار یہ تہنیت و رحمت میں بھیجا گیا۔ اس کی رسید آگئی وہی خاں صاحب بسیار مہربان دوستان القاب اور کاغذ افتائی۔ ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب نصرت گورنر بہادر قلم و پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کشتنر بہادر دہلی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کشتنر بہادر کل مجھ کو آگیا۔ مٹن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی۔

— (۵۶) —

اس عبارت سے کئی باتیں نئی معلوم نہیں۔ ایک نوگورنر کا فارسی میں خط لکھا۔ دوسرے مشرقی القاب سے خطاب کرنا تیسرے مشرقی یعنی افتائی کا غدر خط لکھا جاتا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ غدر کے بعد سے انگریزوں نے یہاں کے رسم و رواج کو کتنا زیادہ ترک کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے ان کے غیر ہرول عزیز ہو جانے کی ہے۔

غالب نے ہر جگہ مٹن کو مذکور لکھا ہے۔ مگر یہاں مونٹ لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ مٹن کا استعمال دونوں طرح جائز ہے۔

— (۵۷) —

سرجان لائرس اور غالب | عرضی میری سرجان لائرس چیف کشتنر بہادر کو گزرا سی۔ اس پر منتظر ہوئے کہ یہ عرضی مع کو اغذہ منیمہ سائل پہنچی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کشتنر دہلی کے پیش کردہ اب مشرقتہ دار کو لازم تھا کہ میرے نام موافق دستور کے خط لکھتا ہے نہ ہوا وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی میرے پاس آگئی میں نے خط صاحب کشتنر جارس سائڈس کو لکھا۔ اور وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی اس میں مضمون کر کے پہنچی۔ صاحب کشتنر نے جواب

کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کے فٹن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے ہاں آیا ہے۔ ابھی صاحب کلکٹر نے تمیل اس حکم کی نہیں کی۔ پرسوں نوائے ہاں یہ رو بکاری آتی ہے۔ دیکھئے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنے دفتر سے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا جو اس کو دیکھیں گے۔ بہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا نام کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا۔ اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ فٹن کی کیفیت طلب ہوئی ہے۔ اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا۔

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے
افلاس شاعری پر بھی غالب ہے
 دربار میں مجھ کو سات پارچے اور تین۔

رقم جو اہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیننگ صاحب میرا دربار خلعت بند کر گئے ہیں۔ نااہل ہو کر بیٹھ رہا۔ اور مدت العمر کو مایوس ہو رہا اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے۔ کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت ہی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دئی میں دربار نہ کرینگے میرے ہٹے ہوئے اور میرے ہٹے میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالہ جائیں گے۔ دئی کے لوگوں کا دربار وہاں ہو گا تم بھی انبالہ جاؤ۔ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر گزری۔ گویا مردہ جی اٹھا مگر ساتھ اس سترت کے یہ بھی ستانا گزرا کہ سامان سفر انبالہ و مصارف بے انتہار کہاں سے لاؤں۔ اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدہ کی منکر ادھر روپیہ کی تدبیر جو اس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے۔ وہ روپیہ کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ شکل بھی آسان کرے گا۔

دن کی روٹی رات کی شراب | یہ نسبت حکیم حسن اللہ خاں کے جو بات

مشہور رہے۔ وہ محض غلط۔ ہاں مرزا الہی بخش جوشا ہزاروں میں ہیں۔ ان کو حکم کرنا بھی بند
جانے کا ہے۔ اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا حکم ہو۔ حکم جی کو ان کی حویلیاں
بل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر
سے باہر نہ جائیں۔ رہا میں۔ ع

تو ہیکسی وغوی نہ را کہ می پرسد

نہ جزا نہ سزا۔ نہ تعزین۔ نہ آفرین۔ صل۔ نہ ظلم۔ نہ لطف۔ نہ قہر۔ ۱۵ دن پہلے
تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی۔ اب صرف روٹی ملے جاتی ہے۔ شراب
نہیں۔ کپڑا آٹام تنم کا بنا ہوا بھی ہے۔ اس کی کچھ فکر نہیں۔

()

حکیم احمد رضا صاحب کی نسبت دلی میں مشہور ہوا تھا کہ وہ بھی جلاوطن
کئے جائیں گے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ میرزا الہی بخش کی جلاوطنی مسوخ
ہوئی۔ اور وہ مرتے دم تک درگا حضرت سلطان علی شاہ رہے۔ غالب کی
قبر کے پاس ان کا شاندار مکان بنا جواب کنڈر پڑا ہے۔ جلاوطنی ہی خوشی
نہیں ہوئی بلکہ بارہ سو روپے ماہوار پنشن بھی مسئلہ بعد نسل دی گئی۔ جوان
کے بیٹوں میرزا سلیمان شکوہ عرف بیٹے میرزا قزاق جاہ اور میرزا اقبال شاہ
میں تقسیم ہوئی اور اب میرزا قزاق جاہ کے مرنے کے بعد ان کی بیگمات دورا
کو ملتی ہے میرزا الہی بخش اور ان کے لڑکے درگا حضرت سلطان علی شاہ کے
شرقی رخ سنگ سبز کی جالیوں کے اندر دفن ہیں۔ میرزا الہی بخش
آخر میں خیر خواہ صحر کار ثابت ہوئے تھے۔ بہادر شاہ کے سمدھی تھے۔

()

غدر کے دفتر شاہی میں غالب کا نام نہ تھا۔ دفتر شاہی میں میرزا نام نہ تھا۔

انہیں اٹھلا کسی مجرمے نسبت میرے کوئی خبر بد خواہی کی نہیں دی حکام وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں۔ روپوش نہیں ہوں۔ بلایا نہیں گیا۔ داروغہ گیر سے محفوظ ہوں۔ کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں۔ مگر ماں جیسا کہ بلایا نہیں گیا خود بھی بروئے کار نہیں آیا۔ کسی حاکم سے نہیں ملا۔ نہ کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مٹی سے نشین نہیں پایا۔ یہ دس مہینے کیونکر گزرے ہونگے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا۔

غالب کی جان پٹیا لہ کے سبب بچی

میں حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں

نور۔ دس برس سے کراچی کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا بلکہ دیوار بدیوار ہیں۔ گھر بچوں کے۔ اور وہ نوکر ہیں راجہ زندہ سنگھ بہادر والی پٹیا لہ کے۔ راجہ نے صاحبان عالیشان سے عہد لے لیا تھا کہ بروقت غارت دلی یہ لوگ بچ رہیں چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کچھ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیر دار پیشین دار۔ دولتمند اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے۔ اور باز پرس اور داروغہ گیر میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک ہوئے ہیں۔ میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی صلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہی اسکو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجالاتا رہا۔ اور نظر اپنی بے گناہی پر ظہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات پائی نہیں گئی۔ لہذا اطمینان نہیں ہوئی ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیر دار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آتے ہیں۔ میری کیا حقیقت تھی غرض کہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ روزانہ سے

باہر نہیں نکل سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا اور کہیں آنا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا کچھ کوئی میرے پاس آوے۔ شہر میں ہے کون جو آوے؟ گھر گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بند و بست یا زدم سئی سے آج تک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال جھکو نہیں معلوم بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر تک کوئی بغیر ٹکٹے آنے جانے نہیں پاتا ابھی یکجا چاہئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہی یا نہیں؟

میں اجرائے پنشن مسرکارانگہ بیزی سے مایوس تھا بارے

پنشن کی نسبت

وہ نقشہ پشنداروں کا جو یہاں سے بھگت صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا کہ یہ شخص پانے کا مستحق نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میری پنشن کے اجراء کا حکم دیا اور وہ حکم یہاں آیا اور مشہور ہوا میں نے بھی سنا۔ اب کہتے ہیں کہ ماہ آئیندہ یعنی ہستی کی پہلی کو تنخواہوں کا بیٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا جائے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔

دہلی کا اور دناک مرثیہ

ہر لشکر انگلستان کا
زہرہ ہوتا ہے آبِ انسان کا
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
تشنہ محو ہے ہر مسلمان کا
آدمی دہاں نہ جاسکے جہاں کا
وہ ہی روتا حق و دل و جاں کا
سوزش و اغمائے پنہاں کا

بسکہ ضال مایہ دید ہے
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
چوک جھکو کہیں وہ مقتل ہے
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک
کوئی دہاں سے آسکے پناہنگ
میں نے مانکر مل گئے پھر کیا
گاہ جل کر کیا کئے مشکوہ

گاہ رو کر کہا کئے باہم ماجر اودیدہ ہائے گریباں کا
اس طرح کے وصال سے غالب کیا منے ولے داغ بھراں کا

—: (۰) :—

یہ مرثیہ محض شاعری نہیں بلکہ واقعات غدر کی تاریخی تصویر ہے
چاندنی چوک میں پھانسیاں کھڑی ہوئی تھیں جن پر روزانہ سینکڑوں
آدمیوں کو لٹکا یا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ خصوصیت سے سختی برتی جاتی
تھی۔ انہی امور کو غالب نے غمناک انداز سے لکھا ہے۔

—: (۰) :—

انگریز بھی غالب کے شاگرد تھے جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا

ہوں تو یہ مصرعہ پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں۔ ع

اے مرگ سان تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرنا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے
اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریزی قوم میں سے جو
ان دہشتیہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق
اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا راور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ
عربز کچھ دوست کچھ شاگرد، کچھ معشوق۔ سودہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز
کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو
ہائے اتنے یا ر مرے کہ جواب میں مروں گا تو میرا کوئی رونیوالا بھی نہ ہو گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
لے بڑا نہیں گیا۔

—: (۰) :—

غالب کی انصاف پسندی دیکھنا۔ غدر کے مصائب کو بلا تعصب بیان کرتے
ہیں۔ انگریزوں پر جو مظالم ہوئے ان کو بھی قلم پر لاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔

کہ غدر سے پہلے انگریز ویسی شعرا کے شاکر و ہوتے تھے۔ اور شرفا سے
دوستیاں کرتے تھے اب یہ باتیں کہانیاں ہو گئیں۔

— (•) (•) (•) —

غالب انگریزوں کے خیر خواہ تھی | حکم ہوا ہے کہ دو شنبہ کے دن پہلی
تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب

خیر خواہان انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں اور بازاروں میں اور صاحب
کشتہ ہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔

فقیر بھی اس تہیہ رستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنشن مقرر ہی نہیں پاتا،
اپنے مکان پر روشنی کرے گا۔

— (•) (•) (•) —

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے جو کہیں کہیں
انگریزوں کے خلاف الفاظ استعمال کئے ہیں یہ اُس وقت کی عام زبان
تھی ورنہ جشن میں شرکت۔ گھر پر روشنی کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ
وہ حکومت سے عناد نہ رکھتے تھے۔

تَمَامُ شَدِّ

خلاصہ کتاب دستنبو کا ترجمہ

میں حاسبان اردو کی طرف سے جناب میرزا یعقوب بیگ صاحب نامی ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ دہلوی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے جدا مجد و میر الملک میرزا غالب کی مشہور کتاب دستنبو کا اردو ترجمہ کر دیا اور جس بے نظیر چیز کا کتاب ہذا کے شروع میں غالب نے جگہ جگہ ذکر کیا ہے وہ لباس اردو پینکر ناظرین کے سامنے آگئی۔

جناب نامی کے دادا جناب میرزا فتح الدیگ المعروف بہ میرزا رجب بیگ مرحوم میرزا غالب کے چچا زاد بھائی تھے۔ نامی صاحب میں بھی باوجود انگریزی کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے اپنے اجداد کی طرح سپاہیانہ ولولہ اور شاعرانہ نزاکت طبع پوری آن بان سے موجود ہے۔ انہوں نے کتاب دستنبو (جس کے معنی گلدستہ کے ہیں) کا وہ تمام ضروری خلاصہ لے لیا ہے جس کا تعلق غدر کے احوال تاریخی سے تھا۔ اور کمال یہ ہے کہ ترجمہ ایسا سلیس اور صاف کیا کہ بالکل غالب کی رنگ معلوم ہوتا ہے اور مفہوم کتاب کی ادائیگی میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ غالب ایام غدر میں یہ کتاب لکھی تھی جبکہ مشرفا اور خصوصاً مسلمانوں کا سانس خوف و مایوسی کو گھٹ رہا تھا۔ اس اسطو اگر انکی رائے زنی میں مصلحت وقت کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آئے تو موجودہ نسلوں کو بہتر ارض نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ غالب نے باوجود نزاکت و وقت بعض باتیں ایسی آزاد دی و میا کی ہو کہ ہمیں کہ کوئی دوسرا لکھنا چاہتا تو دار و گیر کے اس ہولناک و قیمتی نہ لکھ سکتا۔

دستنبو کا مروجہ نسخہ کشوری مطبع کا ہے جو ایسا غلط اور خراب کاغذ پر چھپا ہے کہ اس کا عدم وجود بہا رہے۔ مگر نامی صاحب نے اسکی محنت کی پوری جستجو فرمائی اور نواب سر فرخ میرزا صاحب تیس لہارو کے بھائی مولانا ضمیر میرزا صاحب کے خاص کتب خانہ کے صحیح نسخہ سو غلطیاں درست کیں اسکی بعد ترجمہ کیا۔ دستنبو کا ترجمہ آسان نہ تھا کیونکہ وہ نہایت سخت فارسی میں ہے مگر نامی صاحب نے دو دن کو اندر رتنے مشکل کام کو آسان کر کے دیدیا ہے مگر ایسا شکر یاد آکر تا ہوں حسن نظامی

واقعہ غدر پر مصنف کی رائے

آج ابتری کا زمانہ ہے۔ ہر ایک نے اپنی چال کو چھوڑا ہے۔ سپاہ نے ہر جگہ سپہ سالار کے منہ موڑا ہے۔ بلکہ زمانہ خود اپنی چوڑی بھولا ہے۔ ستارہ شناسوں کی رائے ہے کہ جب یزدجرد و شاہ ایران پر غازیان عرب کے ہاتھوں تباہی آئی تو برج سرطآن میں زحل اور مریخ کا اتصال تھا اور وہ تباہی اسی اتصال کا نتیجہ تھی۔ اہل جمل پھر برج سرطآن میں مریخ اور زحل کا اجتماع ہوا ہے۔ اسی لئے ہر طرف فتنہ و فساد جنگ و جدال برپا ہے مگر اہل دانش اس بات کو کب مانیں گے۔ وہاں دو مختلف ملکوں کی فوجوں کے درمیان جنگ تھی۔ یہاں فوج نے خود اپنے بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اس لئے ان دونوں حملوں میں کوئی مشابہت اور دونوں حملہ آوروں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ وہاں ایک مذہبی جنگ تھی جس کے بعد اہل اسلام نے نئی شان و شوکت کے ساتھ ویران ایران کو شاد و آباد کیا اور نئے مذہب یعنی اسلام نے ملک کو نورایان سے سمورا اور ظلمتِ آتش پرستی کو ملک سے دور کیا۔ لیکن یہاں کہ لڑائی قانونی ہے، حیران ہوں۔ اہل ہند نے کس نے قانون کی امیدیں یہ میر بسایا ہے اہل فارس نے آتش کو کہو کہ خدا کو پایا۔ لیکن متحیر ہوں کہ اہل ہند نے کس امید پر ارباب عدل و انصاف کا دامن چھوڑا اور درندہ خصال باغیوں سے رشتہ جوڑا ہے۔ انصاف کی پوچھو تو جو شخص امن و امان، چین و آرام سوائے قلم و انگریزی کے کہیں اور تلاش کرتا ہے۔ نابینا ہے۔ ایران میں تیغ عرب کے زخم خوردوں کو اسلام نے تلافی کا ہر دم عطا کیا۔ ہند میں غدر کی مصیبت کے بعد وہ کوئی راحت ہے جس کے زمانہ نے مصیبت زدگانِ غدر کے مصائب کی تلافی کی ہے۔ ارباب دانش بتائیں کہ وہ کوئی بہتری اور بہبودی ہے جو اس ہنگامہ غدر سے ملک و ملت کو حاصل ہوگی؟

اہل ملک و الیاء ملک سے لڑتے ہیں۔ لشکری سالار لشکر کا خون کر رہے ہیں اور پھر خوش ہیں، خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے۔ کہاں ہیں حکمت الہی کے جانتے والے۔ کہاں ہیں نفع و نقصان، نیک و بد کے پہچاننے والے بتلا تیں کہ کیا اس جنگ کا گرم ہونا غضب الہی کے سوا کسی اور وجہ سے ہو سکتا ہے۔

۱۶ ماہ رمضان ۱۰۳۳ھ
مطابق ۱۱ مئی ۱۵۸۵ء کو

علی الصبیح یکانیک دہلی کی

باغیوں کا دہلی میں داخل ہونا اہل شہر کی
بے بسی اور انگریزوں کا کشت و خون

شہر پناہ اور قلعہ کی در و دیوار میں زلزلہ پیدا ہوا یعنی میرٹھ جھاؤنی سے کچھ باغی سپاہی بھاگ کر دہلی آئے۔ سب کے سب بغاوت پر کمر بستہ اور انگریزوں کے خون کے پیاسے تھے۔ شہر پناہ کے محافظوں نے جو باغیوں کے ساتھ ہم پیشہ ہوئے کیوجہ سے قدرتنا ہمدردی رکھتے تھے اور جو ممکن ہے پہلے سے ان کے ساتھ عہد پیمان بھی کر چکے ہوں۔ دروازے کھول دیئے اور حق منک اور حفاظت شہر کو بالائے طاق رکھ کر ان ناخواندہ یا خواندہ مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ان سبک عنناں سواروں اور تیز رفتار پیادوں نے جب شہر کے دروازوں کو کھلا ہوا اور دربانوں کو مہمان نواز پایا تو دیوانہ وار ہر طرف دوڑ پڑے اور جہاں جہاں انگریز افسروں کو پایا قتل کر ڈالا اور ان کی کونٹیوں میں آگ لگا دی اہل شہر جو مسہ کار انگریزی کے منک خوار تھے اور حکومت انگریزی کے سایہ میں امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ہتھیار سے بیگانہ۔ تیر و تیر میں بھی امتیاز نہ کر سکتے تھے نہ ہاتھ میں تیر رکھتے تھے نہ شمشیر۔ سچ بوجھ تو یہ لوگ صرف اس مطلب کے تھے کہ گلی کو خوں کو آباد کریں۔ اس گلوں کے ہرگز نہ تھے کہ جنگ و جدل کے واسطے کمر بستہ ہوں اس کے علاوہ تیز رو سیلاب کو گہاں نہیں پہنچ سکتا ہے۔ ان غریبوں نے اپنے آپکو

اس آفت ناگہانی کے آگے عاجز اور بے بس پایا اس لئے گھروں کے اندر غم اور ماتم میں بیٹھ رہے۔ بندہ بھی انہی ماتم زدگان میں سے ہو۔ گھر میں بیٹھا تھا کہ شور و غوغا بلند ہوا۔ قبل اس کے کہ سب دریافت ہو چشم زدن میں صاحب کینٹ بہادر کے قلعہ میں مارے جانے کی خبر آئی ساتھ ہی معلوم ہوا کہ سوار اور پیادے ہر گلی کوچہ میں گشت لگا رہے ہیں۔ پھر تو کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو گل انداموں کے نوحوں سے رنگین نہ ہو اور باغ میں کوئی جائے گل گشت ایسی نہ تھی جو ویرانی میں مانند گورستان نہ ہو۔ کیسے کیسے انگریز افسر، منصف مزاج، دانشور، نیک خواہ نام آور تلوار کے گھاٹ اترے۔ کیسی کیسی پری چہرہ، نازک اندام، خاتونان فرنگ خاک و خون میں نہایتیں۔ افسوس ان کے ننھے ننھے بچے جن کی سگفتہ روئی لالہ و گل پر ہنسی تھی اور جن کی خوش خرامی کبک و چکور کو شرمانی تھی کس طرح تیغ بیدین کے نذر ہوئے۔ اگر موت ان مقتولوں کے سر ہانے ماتم میں سیما پوش ہو کر گریہ نزاری کرے تو روا ہے مگر آسمان خاک ہو کر برسے اور زمین غبار ہو کر اڑے تو بجا ہوسے

لے تو بہا چوں تن بسل بخون بغلط لے روزگار چوں شب بے ماہ تارشو
لے آفتاب رے سبیلی کبود کن لے ماہتاب بلخ دل روزگار شو

باغیوں کا طرز عمل اور اسپر مصنف کی رائے | خدا خدا کر کے وہ دن گزرا اور شام ہوئی، سیاہ دل باغیوں

نے نہ صرف جا بجا شہر میں قیام کیا بلکہ قلعہ میں شاہی باغ کو صطیل اور شاہی مجلس کو اپنی خواجگاہ بنایا۔ رفتہ رفتہ دوسرے مقامات سے خبر آئی کہ باغی سپاہیوں نے فوجی افسروں اور انگریز عہدہ داران کو قتل کر دیا۔ اور جوق جوق سپاہی اور کاشتکار متفق اور متحد ہو رہے ہیں اور سب کے سب بغاوت پر مکر بستہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب جھاڑ کی طرح ایک ہی بندھن میں بندھے ہوئے ہیں کیوں نہ ہو،

ہندوستان پر اس طرح جھاڑو پھیرنے کے لئے کہ اگر آرام و آسائش گھاس کے تنکے کے برابر بھی ڈھونڈ ہیں تو کہیں بیٹہ نہ آئے ایک ایسی ہی جھاڑو کی ضرورت ہے ہزار ہا لشکر جمع ہو رہا ہے۔ مگر ہر لشکر ایک بے سری فوج ہے۔ متاثر یہ ہے کہ توپ بندوق۔ گولہ باروت سب انگریزوں ہی سے چھل کیا اور پھر انگریزوں ہی سے لڑائی ہے۔ قواعد جنگ، فنون سپہگیری سب انگریزوں ہی سے سیکھے اور انگریزوں ہی کے مقابلہ میں انکے استعمال کی تیاری ہے۔ آخر دل بخوشنگ خوشت تو نہیں کہ نہ چلے۔ آنکھ ہے روزین دیوار نہیں کہ نروئے دل کیوں نہ چلے کہ بیگناہ انگریزوں کے قتل کا دلغ لئے ہوتے ہے۔ آنکھ کیوں نہ روئے کہ ہندوستان کی تباہی دیکھ رہی ہے۔ شہر و الیان شہر سے خالی ہو کر بے آقا کے غلاموں سے معمور ہیں۔ چور اور ڈاکوں کو نہ گرفتاری کا ڈر ہے نہ قید کا خطر۔ محلے ویران اور بازار لوٹ کا میدان ہیں۔ ڈاک بند ہے جسک نہ صرف نامہ و پیام بلکہ تمام کام درہم برہم ہیں۔ حامیان دین و آئیں فرمائیں کہ کیا یہ روئے کا مقام نہیں کہ ڈاک جیسی نعمت خدا داد درہم برہم ہو جائے جس کے یہ معنی ہیں کہ مصیبت نازل ہو اور عزیزوں کو مصیبت کی خبر تک نہ ہو۔ نیرنگی زمانہ دیکھئے کہ جو کشور کشائی اور جانبازی کا دم بھرتے تھے آج اپنے سایہ سے ڈرتے ہیں اور نقیب و چوہدار شاہ و گداسب پر حکومت کرتے ہیں۔ پھر ستم یہ کہ مصیبت پر گریہ نہ ماتم کرو تو نشانہ ملامت و ظرافت بنو۔ اگر اس آفت سے بیزار اور اس ماتم میں سینہ فگار ہو تو ضعف ایمان کے طعنے سنو۔

دہلی میں باغیوں کا اجتماع اور لڑائی کا آغاز

الغرض سرکش باغیوں نے شہر میں داخل ہوتے ہی جو کچھ زرو مال اپنے ساتھ لائے تھے۔ سب شاہی خزانہ میں داخل کر دیا اور کاشان شاہی پر جبین اطاعت کو رکھا۔ چشم زدوں میں بے انتہا فوج دہلی میں جمع ہو گئی جو کچھ

ضعیف بادشاہ اس بے شمار لشکر کو نہ روک سکا، اور قابو میں نہ رکھ سکا، بے قابو ہو گیا اور لشکر کے قابو میں آ گیا۔ باغیوں کا قاعدہ تھا کہ جہاں جہاں سے گزرتے قید خانوں سے قیدیوں کو چھوڑتے جاتے تھے۔ چنانچہ پرانے پرانے قیدی قید سے رہا ہو کر دربار میں حاضر ہوئے اور خدمتگاری اور سرداری کے باصرہ خواستگار ہوئے۔ کمال یہ ہے کہ ہر شخص کو دربارِ شاہی میں باریابی حاصل ہو جاتی تھی غرض شہر کے اندر اور باہر کم و بیش پچاس ہزار پیادے اور سوار جمع ہو گئے۔ انگریزوں کے پاس علاقہ دہلی میں سے سوائے اس پہاڑی کے جو شہر کے پہلو میں واقع ہے اور کچھ باقی نہ رہا چنانچہ ان اہل دانش نے اسی جائے تنگ میں دمدے اور سورجے بنائے اور ان پر زبردست توپیں لگائیں۔ دلیسیوں نے بھی جو توپیں میگزین سے اڑائی تھیں ان کو لیجا کر قلعہ پر نصب کیا اور دونوں جانب سے گولہ باری شروع ہوئی مئی اور جون کی گرمی تھی اور آفتاب کی حرارت دن بدن زیادتی پھٹی۔ باغی ہر روز صبح کو انگریزی فوج کے مقابلہ کے واسطے نکلتے اور سوج غروب ہونے سے پہلے واپس آ جاتے تھے۔

حکیم حسن اللہ خان صاحب پر حملہ | اندرون شہر کی کیفیت بھی سننے کے قابل ہے۔ ایک شخص جو حکیم

حسن اللہ خان صاحب کا پروردہ اور آدردہ تھا اور جو خیانت سے بہت کچھ روپیہ جمع کر چکا تھا اس خیال سے کہ جب تک حکیم صاحب جنگو اس کی خرد بُرد کا علم تھا۔ زندہ میں راز فاش ہونے کا اندیشہ رہیگا ان کے قتل کے درپے ہوا، اور یہ افواہ اڑائی کہ حکیم صاحب انگریزوں کے خیر خواہ اور طرفدار ہیں اس طرح باغیوں کو ان کے خلاف برا بیچتے کیا، چنانچہ ایک روز بدبخت باغی حکیم صاحب کو قتل کرنے کے لئے ان کے دولت کدہ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر خوش قسمتی سے حکیم صاحب اس وقت قلعہ میں بادشاہ

کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے چنانچہ ان ناہنجاروں میں کچھ لوگ قلعہ پہنچے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا اور انکی جان بچائی اگرچہ حکیم صاحب کی جان بچ گئی مگر بد بخت باغیوں کو اس وقت تک چین نہ ملا جب تک انہوں نے حکیم صاحب کا مکان لوٹ کر اس میں آگ نہ لگا دی افسوس کوئی غلام جب تک اسکی اصل میں فرق نہ ہوا اپنے آقا کے ساتھ ایسا نہ کرے گا۔

بہادر شاہ کے معاون | جب شاہی جھنڈے کے نیچے بکثرت پیادہ و سوار جمع ہو گئے تو افضل حسین خان والی فرخ آباد نے جو پہلے کبھی بادشاہ کی طرف سے بھی نہ کرتا ایک خط کے ذریعہ اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ ادھر خان بہادر خاں نے یہی میں ایک عظیم الشان لشکر جمع کر کے علم بغاوت بلند کیا اور ایک سو ایک شتر فیاں اور آراستہ ہاتھی گھوڑے بادشاہ کی خدمت میں بطور پیشکش روانہ کئے لیکن نواب یوسف علی خان بہادر فرمان روائے راجپوت جن کی دوستی سرکار انگریزی کیساتھ پیدا ہوئی تھی بادشاہ کی خدمت میں ایک خشک پیام ہی بھیجنے پر اکتفا کی اور یہ بھی صرف ہمایوں کے طعنوں سے بچنے کی واسطے کیا رکھنوں میں بغاوت شروع ہوتے ہی صاحبان انگریز شہر سے نکل گئے اور دیگر مستحکم مقامات میں اپنے بھائیوں اور فدا یوں سے جائے لیکن بعض افسران انگریز اپنے ہمراہیوں سمیت لکھنؤ ہی میں مقام پٹی گارو میں قلعہ بند ہو گئے شرف الدولہ نے جو شاہان اودھ کا وزیر مشہور تھا و اجد علی شاہ کی اولاد میں سے ایک وہ سالہ لڑکے کو تخت پر بٹھایا اور خود وزیر بنا اور ایک پیشکش گران بادشاہ دہلی کی خدمت میں روانہ کیا جب یہ نذرانہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا تو بادشاہ کو اپنی کامیابی کی کافی امید ہو گئی اور خیال کیا کہ پھر ستارہ اقبال چمکا۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ اس کے بعد بادشاہ کا ستارہ اقبال ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

شہر پٹی گارو اور لڑائی اور قتل و غارتگری اور سپر صنف کی رائے | ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء

کو انگریزی سپاہ نے اس شد و مد کے ساتھ کشمیری دروازہ پر گولہ باری کی کہ کالوں کی سپاہ میں بھاگ کر پھٹ گئی یا گرچہ گیارہ مئی سے چودھویں ستمبر تک چار ماہ اور چار روز کا وقفہ تھا، لیکن چونکہ شہر دو شنبہ ہی کے روز ہاتھ سے نکلا اور دو شنبہ ہی کو پھر قبضہ میں آگیا، اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی دن کے اندر شہر ہاتھ سے نکلا اور ہاتھ میں لگ گیا۔

غرض فتح مند فوج اس سڑک کو جو ان کے سامنے تھی شہر میں داخل ہوئی جو شخص راہ میں ملا قتل کر دیا گیا، معززین شہر اپنی آبرو کو بچائے ہوئے گھروں میں پڑے ہوئے باغی شہر سے بھاگ نکلے۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے مقابلہ کیا اور سینہ سپر ہو کر لڑے اپنے نزدیک دوسروں کو کاٹا۔ مگر میرے نزدیک اہل دہلی کی جڑیں کاٹ گئے۔ دو تین روز تک شہر میں کشمیری دروازہ سے لیکر چاروں طرف کو چہ و باز رسید ان کا زار بنے ہے۔ رفتہ رفتہ صرف تین دروازے یعنی اجمیری دروازہ، ترکماندروازہ اور دہلی دروازہ کالوں کے قبضہ میں رہ گئے۔ گوروں نے شہر میں داخل ہوتے ہی بیگناہوں اور بیواؤں کو قتل کرنا شروع کیا اور جا بجا مکانات میں آگ لگا دی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مقام سخت خونریزی کے بعد حملہ آور کے قبضہ میں آتا ہے تو اس مقام کے رہنے والوں پر اسی قسم کی سختیاں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

جب اہل شہر نے فتح مندوں کی یہ کینہ دہی اور غیظ و غضب دیکھا تو انکی امید ناامیدی سے بدل گئی۔ اور بے شمار غریب و مشرف اپنی مستورات کو لیکر ان تینوں دروازوں میں سے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور شہر کے باہر چھوٹی چھوٹی بستیوں اور قبرستانوں میں جا کر دم لیا جب وہاں بھی چین نہ ملا تو ان میں سے بہت سے سفر کے مصائب اٹھاتے دور دراز مقامات میں چلے گئے۔

۱۲ ستمبر کے بعد پانچ روز تک شہر کے اندر کالے اور گوروں میں جا بجا لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کالے پیچھے ہٹتے گئے اور گورے شہر پر قابض

ہوتے گئے۔ بالآخرہ استمبر کو جمعہ کے روز شہر کا لوں کو خالی ہو گیا اور دہلی اور قلعہ دہلی پر انگریزوں کا پورا پورا تسلط ہو گیا۔ اسکے بعد کپڑے دھکڑا کر قتل و غارتگری کا بازار اور زیادہ گرم ہوا۔

گوروں کا تشدد اور اسپر مصنف کی رائے

یہ بات پوشیدہ نہ ہے کہ اس شہر گردی میں مختلف علاقوں میں طریقہ سخت گیری مختلف رہا اور تشدد و ظلم سب پر

بجاس نہ تھا۔ ہر شخص کے رویہ اور حیثیت کے مطابق اس پر ظلم ہوا اپنے علم کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ انگریزی سپاہیوں کو حکم یہ تھا کہ جو شخص اطاعت قبول کرے اس کے قتل سے ہاتھ اٹھائیں اور صرف اسکو لوٹ لینے ہی پر اکتفا کریں۔ مگر جو شخص مقابلہ کرے اس کو قتل کر دیں۔ اور اس کا گھر بار لوٹ لیں۔ اب جو لوگ مائے گئے ان پر یہی عمل کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے سرتابی کی ہوگی بشہو بھی یہی ہے کہ انگریزی سپاہ نے زیادہ تر لوگوں کا مال و متاع لوٹ لیا مگر ان کی جانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا یا لیکن کہیں کہیں ایک دو محلوں میں ایسا بھی ہوا کہ لوگوں کو قتل بھی کیا گیا اور ان کا مال و سہا بھی لوٹ لیا گیا۔ لیکن بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے قتل سے ہمیشہ پرہیز کیا گیا اس کے مقابلہ میں اہل انصاف ہندوستانیوں کا برتاؤ یہ یاد کریں بتلائیں کہ ایسی صورت میں جبکہ دشمنی اور کینہہ درسی کی کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو اور آفاکشی گناہ خیال کیجاتی ہو اپنے آقا پر تلوار کھینچنا اور بے گناہ عورتوں اور شیرخوار بچوں کو قتل کرنا کہاں تک قرین انصاف ہے۔ برخلاف اسکے انگریزوں کے طرز عمل پر غور کیجئے کہ دشمنوں کو انتقام لینی اور مجرموں کو سزا دینے کی غرض سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اہل شہر سے سجدہ دل اور ناراض ہیں۔ اس پر بھی غلبہ پانے کے بعد جبکہ دلی کے کتے پٹی کو بھی زندہ نہ چھوڑنا چاہتے تھا وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں، عورتوں اور بچوں کو ہاتھ نہیں لگاتے، بے قصور اور قصور وار میں پورا پورا فرق کرتے ہیں، اور کسی شخص کو سوائے ان لوگوں کے جنکو باز پرس کے واسطے بلاتے ہیں حیران نہیں کرتے۔ اہل شہر میں سے بہت سے شہر بدر کر دئے گئے

جو باقی ہیں، امید دیم کی حالت میں ہیں۔

۱۷ اکتوبر چار شنبہ کو روز شہر میں اکیس توپوں کی سلامی ہوئی جیہتی ہوئی کہ فٹنٹ گورنر بہادر کی آمد پر، توپوں کی سلامی ہوئی ہی، اور نواب گورنر جنرل بہادر کی آمد پر ۱۴ توپوں کی سلامی اترتی ہی۔ ۲۱ توپوں کی سلامی چھ مئی دار کسی سے کچھ نہ معلوم ہو سکا گمان غالب یہ ہے کہ غالباً سپاہ انگریزی کو کسی مقام پر باغیوں پر کوئی زبردست فتح حاصل ہوئی ہے۔

باغیوں کے زیر اثر مقامات اگرچہ دہلی میں فتنہ فرو ہو گیا۔ مگر ابھی بدکردار باغیوں نے ایک طرف بریلی، فرخ آباد اور لکھنؤ میں شورش برپا کی ہے، اور دوسری طرف سونہ اور سیوات کے علاقہ میں فتنہ کی آگ بھڑک رہی ہے۔ تلام نامی ایک شخص نے کچھ دنوں رپواڑی میں شورش برپا کی پھر دیوبند کے ساتھ ملکہ سیوات کے پہاڑ اور جنگلات میں انگریزوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوا۔

نواح دہلی کے ریسوں کا قلعہ میں اجتماع جس ہفتہ میں انگریزی سپاہ

نے شہر قبضہ کیا اسی ہفتہ میں امین الدین احمد خاں بہادر و ضیاء الدین احمد بہادر اپنے اہل عیال کیساتھ تین باقی اور چالیس تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی جاگیر لودارو کی طرف روانہ ہوئے۔ مہر دلی پہنچ کر ایک دو روز قیام کیا۔ دوران قیام میں لشکریاں غارتگران پر آن پڑے اور جو کچھ پاس تھا لوٹ کر لے گئے چنانچہ بے سروسامانی کی حالت میں یہ روسائے فریضان و دوجانہ کیطرف روانہ ہوئے۔ جن علی خان بہادر والی دوجانہ نے نہایت مہربانی اور فیاضی سے حق مہمان نوازی ادا کیا جب صاحب کشمیر بہادر کو خبر ہوئی تو بلایا چنانچہ وہ روسائے آسمان شان پھر جانب دہلی روانہ ہوئے۔ صاحب بہادر کی خدمت میں پہنچے اور آداب بجالائے صاحب بہادر نے طنز آمیز گفتگو شروع کی لیکن جب نرم اور نادان و مصانعہ جواب سنا تو خاموش ہو رہے اور قلعہ میں قیام کر نیکی اجازت دی۔ دو تین روز بعد حکم ہوا کہ عبدالرحمن خان والی پتھر کو گرفتار کر لائیں جب وہ ریس والا شان وار دہلی پہنچا

تو اس کو قلعہ میں دیوان عام میں ایک طرف قیام کر نیکا حکم ہوا اور اس کی تمام ریاست انگریزی علاقہ میں شامل کر لی گئی۔ اسی طرح ۳۰ اکتوبر جمعہ کے روز احمد علی خاں والی فرخ نگر کو گرفتار کر کے دہلی لائے اور قلعہ میں ایک علیحدہ جگہ اتارا۔ ۲ نومبر شنبہ کے روز بہادر جنگ خاں والی بہادر گڑھ کو دہلی لایا گیا اور اس کے واسطے بھی قلعہ ہی میں جائے قیام مقرر ہوئی۔ اسی طرح بروز شنبہ راجہ ناہر سنگھ والی بلب گڑھ بھی قلعہ میں لائے گئے۔ نواح دہلی میں سات ریاستیں دہلی کی اجنٹی سے متعلق ہیں۔ جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ، لوہارو، فرخ نگر، دو جانہ اور پاتودی۔ ان سات ریاستوں میں سے پنج ریاستوں کے تیس اس وقت قلعہ میں جدوجہد اس مقام پر مقیم تھے۔ پاتودی، ماور دو جانہ کے رئیس، اپنی اپنی ریاستوں میں خوف زدہ ہو کر عالم میں منتظر تھے کہ دیکھتے پر وہ غیب کیا ناظم ہو گیا آتا ہے۔ انہی ایام میں مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں اور ذوالفقار الدین حیدر خاں بھی اپنے متعلقین کے ساتھ شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے بھرے بہتولے گھروں کے حوالہ کر گئے۔ شہزادگان خاندان تیموری میں سے کچھ لڑائی میں مارے گئے کچھ گرفتار ہو کر قید خانوں میں پڑے ہوئے اپنے دن پورے کرتے ہیں۔ بعد دسے چند ایسے تھے جو جان بچا کر بھاگ گئے۔ ضعیف عمر بادشاہ کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا کہ باہر میں کجائے دایان، جھجر، بلب گڑھ اور فرخ نگر کو علیحدہ مختلف اوقات میں پھانسی دیدی گئی۔

حکیم محمود خاں صاحب اور
 ساٹھ اور آدمیوں کو حوالات
 ۱۵۵۷ء کے آغاز میں جنوری کے مہینہ میں
 ہندوستانیوں کی خطائیں معاف ہوئیں اور
 لوگ پھر شہر میں واپس آئے گئے۔ اسی اشار میں حاکم شہر کو چٹپوروں سے خبر دی کہ راجہ
 نرندر سنگھ بہادر کے معالج یعنی حکیم محمود خان صاحب کا مکان مسلمانوں کیلئے جائے
 بنانا بنا ہوا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ایک دو باغی بھی ان لوگوں میں ہوں جو حکیم صاحب کے
 پاں پناہ گزین تھے چنانچہ ۴ فروری شنبہ کے روز حاکم مذکور دوڑ لیکر آیا اور مالک خان کو

مع ساتھ اور آدمیوں کے پکڑ کر لے گیا۔ اگرچہ چند روز تک سب کو حالات ہی لیکن حکیم صاحب کی عزت و آبرو کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا۔ بالآخر حکیم محمود خاں حکیم مرتضیٰ خاں اور ان کے چچا زاد بھائی حکیم عبدالحکیم خاں کو واپسی کی اجازت ہو گئی۔ ۱۲ فروری کو کچھ لوگ اور جھوٹے دینے گئے۔ ۱۳ فروری کو تین آدمیوں نے اور رائی پائی مگر نصف سوا درآمدی حالات ہی ہیں۔

لکھنویں لڑائی اور شہر پر قبضہ | اسی ماہ میں سر جان لارنس صاحب

چیف کمشنر بہادر کی آمد آمد کی خبر شہر میں گرم ہوئی۔ اور ۲۰ فروری شنبہ کے روز شام کے وقت ۲۱ توپوں کی سلامی سے شہر گونج اٹھا۔ دوسرے دن صبح کو معلوم ہوا کہ شہر لکھنؤ فتح ہو گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی سنا کہ لکھنویں ۱۶ فروری کو کمانڈر نجیف بہادر نے نہایت بہادری کیساتھ باغیوں پر ایک ایسا حملہ کیا کہ ان کے دھوئیں اڑا دیے۔ دوسرے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ توہین لکھنؤ کی فتح کی سلامی نہ تھی بلکہ سپاہ انگریزی کو باغیوں پر جو نمایاں غلبہ حاصل ہوا ہے اس کی خوشی میں جھوٹی گنیں تھیں۔ چوتھی فروری چہار شنبہ کے روز صبح کے وقت صاحب چیف کمشنر بہادر کا دفینا میں وارد ہوا۔ ۱۳ توپوں کی سلامی ہوئی اور اہل شہر کے تن مردہ میں پھر جان آئی۔

دہکا بد شہر رواں باز آمد فرمان فرمائے شہ نشان باز آمد
زین شاہی و خوشدلی کہ رواں شہر گوئی کہ گمر شاہجہاں باز آمد
۲۴ فروری شنبہ کے روز اس رحم دل حاکم نے فریادیوں کی وادری کی اور

اسن و اماں کا خروہ سنایا۔

اہل دہلی کی مصائب | آج کل قید خانہ شہر کے باہر اور حالات شہر کے اندر ہی

ان میں قیدیوں کا دم بوم ہے کہ الامان و الحفیظ۔ ان کے علاوہ جو لوگ پھانسی چڑھ گئے انکی تعداد خدا ہی خوب جانتا ہے۔ آج کل دہلی میں مسلمان ہزار آدمیوں سے زیادہ نہیں گئے۔ گرد باگردہ کلمہ گو شہر سے نکل کر دو دو تین تین کوں سے کھنڈرات میں، دیوانوں میں۔

پہاڑ کے کہہ انوں میں زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ جو لوگ شہر میں باقی رہ گئے ہیں ان میں باوقیدوں کے عزیز واقربا ہیں اور پانچن خوارین سرکائیں۔

باغیوں کا ہر جگہ قلع و قمع اٹھارہ مارچ بروز پنجشنبہ شام کیوقت گردوں شکاف

قوتوں کی آواز نے خبر دی کہ لکھنؤ میں کامل طور پر انگریزی تسلط ہو گیا۔ اپریل کے مہینہ میں حکم محمود خاں صاحب کے ساتھیوں نے جو اس وقت تک حالات میں تھے رہائی پائی۔ اور حکیم صاحب اپنے عزیز واقربا کیساتھ پٹنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہی کے شروع میں خبر آئی کہ انگریزی سپاہ نے مراد آباد باغیوں سے خالی کر لیا۔ اور فتح کے بعد مراد آباد و اب یوسف علی خاں صاحب دہلی راہپور کی قلمرو میں شامل کیا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے بریلی کو فتنہ پرداز باغیوں سے خالی کیا چنانچہ اب قوی امید ہے کہ عنقریب انگریزی سپاہ ہر جگہ باغیوں کا قلع و قمع کر دیگی اور پھر تمام ہندوستان از سر نو سرکار انگریزی کے سایہ عدل و انصاف میں آ جائیگا۔

۱۳ جون یکشنبہ کے روز شام کیوقت بہادر جنگ خاں دہلی بہادر گڑھ کو بلا کر حکم جان بخشی سنایا گیا۔ اور ساتھ ہی ایک ہزار روپے ماہوار وظیفہ کا مژدہ دیا گیا۔

۲۲ جون کو ۱۲ قوتوں کی سلامی نے خبر دی کہ انگریزی سپاہ کی جانبازانہ کوششوں سے گوالیار اور قلع گوالیار فتح ہو گیا جس کی مختصر و ادبہ کہ باغیان سرکش دیگر مقامات کی طرح گوالیار پر بھی قابض ہو گئے تھے۔ راجہ گوالیار مہاراجہ جیاجی رڈ شہر اور شہر باری چھوڑ کر آگرہ بھاگ گیا۔ اور انگریزوں سے مدد مانگی۔ انگریزوں نے ایک جہاز فوج سے اس کی مدد کی چنانچہ راجہ نے انگریزی فوج کی مدد سے باغیوں کو شکست فاش دی۔

باغیوں کا حشر باغیوں کا جو کچھ حشر وادہ ان کے کردار کی کافی سزا تھی۔ یہ مگر ان سرکش ہر طرف سے ہزیمت پا کر گوالیار پہنچے لیکن جب وہاں بھی شکست فاش کہانی تو مدت تک رواں دواں پھرتے رہے، اور سہنی اور ڈاکہ زنی کرتے پھرے۔ آخر کار ہر جگہ نہایت ذلت و خواری کیساتھ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

مضمون دستنبو پر رائے

رسالہ دستنبو کا ترجمہ ختم ہوا۔ میرزا ثانی نے جس خوبی سے دستنبو کا ترجمہ کیا اسکی تعریف مشکل ہے جو لوگ ترجمہ کی دشواریوں سے واقف ہیں وہ دستنبو کا اصل متن سامنے نہیں لے سکتے تو ان کو بے اختیار اس ترجمہ کی داد دینی پڑے گی کہ غالب کی سخت اور مشکل فارسی عبارت کا جس کو عربی الفاظ سے واسطہ خطوط رکھنے کی کوشش کی گئی تھی، ایسا عام غلط اور صحیح ترجمہ کیا گیا ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ترجمہ کے الفاظ غالب کی اردو طرز تحریر سے مشابہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اردو کی نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالب کی لکھی ہوئی عبارت سے بہت سی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ کا انداز بالکل روزانہ کا سا بنا دیا گیا ہے تاکہ کتاب روزانہ کی عبارت سے بہت میل معلوم نہ ہو یہ تمام کمالات معمولی

نہیں ہیں اور میرزا ثانی کی غیر معمولی قابلیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ آج کل کے زمانہ میں غالب کی یہ تحریر شاید لوگوں کو پسند نہ آئے گی کیونکہ انہوں نے ہندوستانی باغیوں کی خطافوں کو بہت نمایاں کر کے دکھایا ہے اور انگریزی لشکر کی زیادتیوں پر احتیاط و مصلحت کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غالب نے یہ خیال بالکل درست ہے کہ باغیوں نے انگریزوں کی عورتوں اور بچوں کو ساتھ ساتھ لے لیا انہیں گھر سے انکے مذہب اور ملک کے روایات کے سراسر خلاف حرکات میں انگریزی فوج سے ہندوستانی عورتوں اور بچوں پر کوئی ایسا نمایاں ظلم نہیں کیا ہو قابل ذکر ہے البتہ غالب نے اس کتاب میں حالات کی نزاکت کے سبب جرات نہیں کی کہ انگریزی لشکر نے باغیوں کے علاوہ شہری باشندوں سے بھی سفاکی کیسا بڑا انتقام لیا اور جسے دہلی سے ہٹا کر آدمیوں کو بھانسی پر لٹکا دیا وہ تاریخ کا نہایت افسوسناک واقعہ ہے اور خود انگریزوں کے اور موزوں کو بھانسی پر لٹکا دینے کی کوشش نہ انگریزی لشکر نے کیا ہے اس کا قتل عام کر دینا انصاف اور تحمل کو داغدار بنا دیا۔

بھ حال میرزا محمد دو غالب مرحوم کے ایک ادبی اور لٹری کا رسا کو اردو زبان کے ذخیرہ میں بڑا ناگوار ہے اس سبب کی بحث سے مجھے کچھ نہ کہنا نہیں سکا فیصلہ سوچ کر بیٹھے کہ حق پر کون تھا اور باقی پر کون۔

حسن نظاری

بمعین

ہلاکل

۴۸۶

غدرہلی کے افسانوں کا آٹھواں حصہ

دہلی کی جان کنی

دہلی کو مہیا صاحب

دردناک عکسی تصویرات سمیت

غدر ۱۸۵۷ء کے

وہ حالات جو دہلی میں خاندان شاہی اور امر اورتام ہندو

مسلمان باشندگان دہلی کو پیش آئے

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے جمع کردہ

معتبر تاریخی واقعات

جون ۱۹۲۳ء میں دوسری بار ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ دہلی فاضل کٹو

نہت نمبر

دہلی کی جاں کنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا اللہ توبہ۔ کل کی بات ہے دہلی شہر کے اندر ایسی قیامت آئی تھی جسکا ذکر سننے سے بدن کے رونگھے کھڑے ہو جاتے ہیں، ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی باغی فوج دہلی میں داخل ہوئی اور انگریزوں کا قتل عام شروع کیا، اس دن سے ۱۴ تک دہلی شہر میں انگریزوں کی حالت جاں کنی اور سکرات کی تھی اور ان پر کجخت باغیوں نے اس قدر ظلم ڈھائے تھے جسکا بیان کرنے کو کبھی پتھر کا کلیجہ چاہیے۔

پھر ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی فوج نے دوبارہ دہلی فتح کر لی اور باغیوں کو بھگا دیا، تو دہلی کے ہندو مسلمانوں پر خصوصاً مسلمانوں پر وہ آفت آئی جسکا بیان کرنا اور آنسو بہانے کے بغیر سن لینا آسان نہیں اور جس کو دہلی کی جاں کنی کے نام سے تعبیر کرنا بالکل سچی اور واقعی بات ہے۔

اپنی واقعات کو جو ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی میں پیش آئے قلمبند کیا جاتا ہے اور اسی مجموعہ کا نام دہلی کی جاں کنی ہے۔

یہ تمام حالات تاریخی ہیں، ان میں ایک بات بھی زبانی افواہوں کے تحت نہیں

کہتی۔ اس واسطے یہ مجموعہ ایک مستند تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حالات یا تو انگریزی تاریخوں سے تمبناس کے گڑبڑ ہیں جبکہ حوالہ اپنے اپنے موقع پر دیدیا ہے یا شمس العلماء منشی ذکار اللہ مرحوم کی تاریخ ہندوستان سے لیے گئے ہیں، منشی صاحب مذکور خود غدر کے ایام میں موجود تھے اور اپنی عقل اور سمجھ رکھتے تھے کہ واقعات کو ان کی اصلی صورت میں دیکھ کر مورخ کی طرح لکھ سکے تھے۔ جز بجز انہوں نے اپنی تاریخ میں جس قدر غدر دہلی کے حالات لکھے ہیں ان کا بڑا حصہ چشم دید کیفیات سے تعلق رکھتا ہے۔

کتابوں سے زیادہ زبانی حالات کا ان بنا غلط بھی میرے پاس جمع ہے کیونکہ دہلی کے ہر اس ہندو مسلمان عورت مرد سے جو غدر میں موجود تھا ملنے اور حالات معلوم کرنے کا کجگوچن سے شوق ہے۔

لیکن اس کتاب میں ان ہی زبانی روایتوں کو درج کیا گیا ہے جن کی سند کسی معتبر اور چھپی ہوئی تاریخ میں بھی ہو، کیونکہ ایک کتاب میں نے غدر کے متعلق ایسی بھی لکھی ہے جس میں سوائے زبانی حکایات کے تاریخی تائید کا کچھ دخل نہیں ہے اور وہ غدر دہلی کے افسانوں کا پہلا حصہ ہے۔ اس واسطے اس کتاب میں سوائے تاریخی حالات کے زبانی قصوں سے بہت کم سروکار رکھا گیا ہے۔

میں نے اب تک حالات غدر دہلی کے متعلق سات کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں جو ہندوستان میں اچھی طرح مقبول و رائج ہیں، ان میں پہلا حصہ وہ ہے جس کا ذکر اوپر آیا، اور دوسرے میں انگریزوں کی بنیاد کا حال ہے، جو آئیر فوج کی بغاوت کے بعد دہلی میں پڑی، اور تیسرے حصہ میں انگریزوں کے ابتدائی محاصرہ کے حالات خطوط پر، چوتھے میں بہادر شاہ کے مقدمہ کا حال ہے پانچویں میں وہ خطوط ہیں جو غدر کے وقت بہادر شاہ کے نام لوگوں نے یا بادشاہ

نے دوسروں کے نام روانہ کیے، اور جو بادشاہ کی گرفتاری کے بعد قلعہ دہلی میں انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ چھٹے حصہ میں ان اخباروں کا اقتباس ہے جو ایام غدر میں دہلی شہر کے اندر شائع ہوتے تھے، اور جن کے مضامین کی نسبت یہ شبہ کیا گیا تھا کہ وہ غدر کی آگ بھڑکانے کا باعث ہوئے۔ ساتویں حصہ میں میرزا غالب کا روزنامہ ہے جو انہوں نے زمانہ غدر کے حالات کی نسبت لکھا تھا۔

سلسلہ مذکور میں اس کتاب کو آٹھواں حصہ سمجھنا چاہیے، اس میں تمام وکمال تاریخی حالات ہیں، اور حالات بھی وہ جن سے دہلی کی مصیبت کا پورا اندازہ ہوگا یقیناً وہ مصیبت جو اہل دہلی کو اس زمانہ میں پیش آئی، جاں کنی کی مصیبت سے بھی زیادہ سخت تھی، اور اس کا اندازہ کتاب کے پڑھنے سے اچھی طرح ہو جائیگا کہ اس کتاب کا نام دہلی کی جاں کنی رکھا گیا ہے تو غلط اوربالغہ سے نہیں رکھا بلکہ واقعی طور پر دہلی نے اس زمانہ میں جاں کنی سے بھی زیادہ تکلیف برداشت کی۔ جس کا بیان سنکر پتھر کا کلیجہ بھی موم ہو کر پگھل جاتا ہے۔

مقصد تحریر

اس کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہی ہے کہ قوم و ملک کی آئندہ موجودہ نسلوں کو اپنے پایہ تخت کے تاریخی انقلابات سے آگاہی ہو، نیز وہ یہ بھی دیکھ لیں کہ لڑائی جھگڑے میں کیسے کیسے مصائب ہوں تاکہ کلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہو آج کل کے زمانہ میں بعض ناخبرہ کار جو شیملے فوجوان لڑائی و خونریزی کے خواب دیکھا کرتے ہیں، ان کو یہ کتاب چھٹی طرح بیدار کر دے گی، کہ بے امنی کے نتائج ایسے ہوتے ہیں، اور وہ جان لیں گے کہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف کمرشی کرنا بہت خطرناک بات ہے، اور تمام ہندوستان کی مشترکہ قوت بھی اس کے شیرازہ حکمرانی کو

پراگندہ کرتے ہیں کامیاب نہ ہو سکی۔

نایاب تصاویر

اس کتاب کے لئے بڑی کوشش و تلاش کے بعد چند نایاب تصاویر بھی حاصل کی گئی ہیں، تاکہ ایام غدر کے نامور اشخاص کی اصلی صورتیں لوگ دیکھ سکیں۔

(۱) ایک ان میں بادشاہ کے دربار کا گروپ ہے جس میں تمام امرا صفت بستہ حاضر ہیں، اس گروپ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ کا نہیں ہے بلکہ اُن کے والد اکبر شاہ کے دربار کا ہے، نیز چونکہ اس سے دربار کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے، اس واسطے اس کو بھی شریک کتاب کرنا غیر موزوں نہیں ہوگا۔

(۲) دوسرا گروپ بھی بہادر شاہ کے دربار کا ہے، اس میں چند بڑے بڑے نامور لوگ موجود ہیں، جنکا غدر سے خاص تعلق تھا، مثلاً شہزادہ جو اس بخت، میرزا الہی بخش چکرم احسن اللہ خان، نواب حامد علی خان، محبوب علی خان۔

(۳) میرزا مغل بہادر شاہ کے بیٹے تھے اور غدر میں باغی افواج کے سپہ سالار بنائے گئے تھے، ان کی تصویر بڑی تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔

(۴) بہادر شاہ کی سکرات کامر قع بہت دردناک اور تاریخ کا وہ حصہ ہے جو انسان کو عبرت و خوف سے مرلادیتا ہے۔

یہ تصویریں کہاں سے ملیں؟

بہادر شاہ کا بڑا گروپ عام طور سے بازاروں میں بچتا ہے۔ چھوٹا گروپ جناب لالہ سریرام جاسیم۔ اے مصنف خنخانہ جاوید کے قلمی تصویر خانہ سے لیا گیا ہے اور بہت معتبر ہے۔ میرزا مغل اور بہادر شاہ کی سکرات کی تصویر محکمہ آثار قدیم دہلی کے سپرنٹنڈنٹ

سے حاصل ہوئی ہیں اس واسطے بالکل یقینی اور معتبر ہیں۔

بہادر شاہ کے وقت آخر کی تصویر میں میں نے کچھ اصلاح کرائی ہے کیونکہ وہ صاف نہ تھی، بہادر شاہ کی چار پائی کے پاس حقہ کی کٹے ایسی بُری معلوم ہوتی تھی کہ اس کو مجبوراً جڈا کرنا پڑا تا کہ چہرہ اچھی طرح نظر آ سکے۔

ان تصاویر کے حاصل کرنے اور ان کی تیاری و اصلاح میں جو کچھ زحمت ہوئی، اس سے مجھے ان کی قدر و قیمت اچھی طرح یاد رہے گی، اور اُمید ہے کہ ناظرین بھی اس نایاب تحفہ کو معمولی نظروں سے نہ دیکھیں گے۔ کیونکہ مہینوں کی جدوجہد کے بعد یہ حاصل ہوئی ہیں۔

اب میں کتاب کا اصل مضمون شروع کرتا ہوں، اور اس کا سلسلہ سَوَاق سے چلتا ہے جبکہ انگریزوں نے دوبارہ دہلی کو فتح کرنے کے لیے حملہ شروع کیا۔ اسکے قبل کے واقعات اور کچھ بعد کے حالات اس کتاب کے گزشتہ حصوں میں مذکور ہو چکے ہیں، اس واسطے اُن کو نہیں لکھا گیا۔

‡

، شعبان ۱۲۳۷ھ یوم چہار شنبہ مطابق ۶ اپریل ۱۹۲۲ء نماز ظہر کے بعد شروع کیا۔

حجرہ رین سیرا
درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب
الہی (رضی اللہ عنہ) دہلی
حسن نظامی

دہلی انگریزوں کیوں ناپسند تھی؟

بغاوت ہندوستان کے اسباب انگیزیوں نے بھی لکھے ہیں اور ہندوستانیوں نے بھی، انگیزیوں اور ہندوستانیوں کے اکثر خیالات کا خلاصہ منشی ذکا، اللہ صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھ دیا ہے، سرسید احمد خان صاحب نے بھی ایک لاجواب رسالہ اسباب بغاوت ہند کے نام سے لکھا ہے جس کی صداقت پارلیمنٹ انگلستان کے تسلیم کی گئی تھی،

مگر میں یہاں نہ اُن تمام اسباب کو لکھنا چاہتا ہوں نہ اُن پر بحث کرنیکی کچھ ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ کتاب صرف احوال دہلی سے تعلق رکھتی ہے اور دہلی کے اسباب ناراضی کو شروع میں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ بعد کے واقعات کی حقیقت سمجھنے میں یہ اسباب مدد دے سکیں۔

دہلی سے مراد اُس شہر کے ہندو سولمان باشندے اور بہادر شاہ بادشاہ اور اُن کے خاندان والے ہیں، اور انہی لوگوں نے بعد میں غدر کو مدد دی، اور پھر انگیزی فوج کے ستم برداشت کیے۔ لہذا یہاں صرف دہلی والوں کے اسباب ناراضی بیان کر کے اصل کتاب شروع کی جائے گی۔

ان اسباب میں زیادہ تر بہادر شاہ اور اُن کے خاندان کی ناراضی کا بیان ہے مگر یہ وہ ناراضی تھی جس کا اثر تمام باشندگان شہر پر پڑتا تھا، اور دہلی کا بچہ بچہ اس سے متاثر ہوتا تھا جسوقت بادشاہ اپنی تکلیف کو کسی شعر کے ذریعہ ظاہر کرتے تھے تو شہر کی گلی گلی میں اسکا چرچا ہوتا تھا۔ چنانچہ ولیم ہدی کے جھگڑے میں جب بہادر شاہ نے یہ شعر کہا ہے

اے ظفر اب بھی تک انتظامِ سلطنت بعد تیرے لئے ولیعہدی نہ نامِ سلطنت
تو دہلی کے ہر گھر میں اسکا ذکر تھا۔ عورتیں تک اس شکر کو بڑھکر روتی تھیں بچے گلیوں
میں مرثیہ کے انداز سے گاتے پھرتے تھے

اسباب ناراضی کا سلسلہ پوری طرح ذہن نشین نہ ہو گا جب تک شاہِ عالم
بادشاہ کے وقت سے واقعات کو شروع نہ کیا جائے لہذا پہلے اُن کو لکھا جاتا ہے۔

شاہِ عالم بادشاہ اور انگریز

سلسلہء میں لارڈ الیک اور ولزلی کے سپاہیوں نے مرہٹوں کے زور کو شکست
دی، اور شاہِ عالم بادشاہ انگریزوں کی حمایت میں ایک خاص عہد نامہ کے ذریعہ سے
آگئے، بظاہر شاہِ عالم نے مسٹر کلاؤ کو اپنی دیوانی یعنی وزارت کا عہدہ دیا تھا
لیکن درحقیقت ہندوستان کی سلطنت اُن کے حوالہ کر دی تھی
اس زمانہ میں ایٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کا کھلم کھلا یہ خیال نہ تھا کہ ہندوستان
پر بحیثیت ایک خود مختار بادشاہ کے حکومت کرے، بلکہ اس کے افسر بادشاہ کی آڑ
کو سلطنت کا شکار کھیلنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے چنانچہ گورنر جنرل نے کمپنی کی
سرکار کو بتا رہا تھا کہ ۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء ایک مراسلہ بھیجا تھا، جسکا مضمون یہ ہے۔

”فرانسیسیوں کو ہندوستان کے شمال مغربی اضلاع میں قوت و غلبہ حاصل
ہو گیا تھا۔ ہم نے شہنشاہِ شاہِ عالم کو فرانس کے اثر سے چھڑا لیا ہے اور فرانس
کو فرنٹ اس زبردست آگ سے محروم ہو گئی ہے جس کی آڑ میں فرنٹ
کے خلاف فرانس کو ہندوستان پر قبضہ کرنا مقصود تھا۔ اب ہم بادشاہ اور اس
کے خاندان کے لئے امن و راحت کے ذمہ دار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی
رہائیں ہم پر اعتماد کرنے لگی ہیں، کیونکہ ہم نے بادشاہ کو مرہٹوں اور فرانسیسیوں

کی قید سے رہائی دلوائی ہو، اور ہم کو ضرورت ہے کہ ہم سب کی نظروں میں بادشاہ کے حامی نظر آئیں۔“

اس مراسلہ سے ظاہر ہے کہ انگریزوں کو فرانس اور مرہٹہ جریفوں کے زیر کر نیکے لئے منسل بادشاہ کے قائم رکھنے کی بڑی ضرورت تھی، اس واسطے فیصلہ کیا گیا کہ ملکی حکومت جو عزت حاصل ہوتی ہے اسکی ایک خاص مقدار بادشاہ کی ذات کیلئے مقرر رہنی چاہئے۔ یعنی خاص حدود کے اندر بادشاہ کو عدالت کرنے کے اختیارات دیئے جائیں جنہیں ان کو زندگی یا موت کے فیصلہ کرنے کا اختیار ہو، بادشاہ اور ان کے کنبے کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا جائے۔ اگرچہ لوگ کہیں گے کہ وہ شہنشاہ جو دنیا میں سب سے بڑا تاجروں کی ایک کمپنی کا پیش خوار ہو گیا ہے، تاہم اس سے بڑش گورنمنٹ کو بہت سے فائدے حاصل ہوں گے۔

بادشاہ کو قلعہ ملی نکالنے کی تجویز

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن لارڈ ولزلی کی دورانڈیش آنکھ دیکھ رہی تھی کہ اگر یہ آباء سلطنت اسی طرح دوامی بیگی اور بادشاہ اپنے دادا شاہ جہاں کے لال قلعہ میں آباد رہے گا اور اس کے وہ مصاحب جنہوں نے پڑائے اختیارات و اقتدارات کے تناثر دیکھے ہیں، اسکے ساتھ رہیں گے تو جاں نثار اور جانناز مسلمانوں کا ایک مرکز اور ہیڈ کوارٹر بنا رہے گا، اور کسی نہ کسی دن ایک ایسا وقت آجائے گا کہ اس غارت شدہ سلطنت کو شاہ عالم کے جانشینوں میں سے کوئی شخص دوبارہ بحال کر لیگا۔ اور ہمارے برسوں کا کام چند روزیں خاک کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔ اس واسطے انہوں نے یہ تجویز کی کہ بادشاہ اور ان کا خاندان دہلی کے لال قلعہ میں نہ رہے بلکہ صوبہ بہار کے ضلع مونگیر میں مقیم کیا جائے۔ لیکن جب شاہ عالم کو اس تجویز کی خبر ہوئی تو وہ



غضبناک ہو گئے اور انہوں نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا مجھ میں بھی زندہ رہنے کی قوت موجود ہے اور زندہ آدمی کو کوئی شخص اپنی پسند کردہ قبر میں دفن نہیں کر سکتا۔" لارڈ ولزلی نے موقع کی نزاکت کو سمجھا، اور بادشاہ کی خفگی کو اپنے منصوبوں کے لیے خطرناک خیال کیا، کیونکہ فرانسیسیوں اور افغانوں اور مرہٹوں کی سازشوں کے جال انگریزوں کو ہمیشہ خائف رکھتے تھے، اس واسطے لال قلعہ سے نکلنے کی تجویز ملتوی کر دی گئی، تاہم بادشاہ اور ان کے خاندان میں انگریزوں کی نیت سے ایک عام بدگمانی پیدا ہو گئی، اور یہ دہلی اور اس کے باشندوں کی اس ناراضی کی پہلی دنیا تھی جس کا ظہور ازمی شہنشاہ میں ہوا۔

اکبر شاہ کی تخت نشینی

شہنشاہ میں شاہ عالم نے انتقال کیا اور اکبر شاہ لگی جگہ تخت پر بیٹھے، یہ قوت ایسا تھا کہ قیدی انگریز ہندوستانی درباروں کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے، سیٹھ صاحب دہلی کے رزیڈنٹ بادشاہ کے آگے ادنیٰ امیروں کی طرح تسلیم و گورنمنٹ و مہراجا لاتے تھے، اور شاہی خاندان کے بچہ بچہ کی شاہانہ عزت کرتے تھے، گریٹن صاحب کے نائب چارلس شکاف صاحب اپنی نوجوانی اور خصلت ذاتی کے سبب بادشاہ کے اس احترام سے بہت جلتے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ بادشاہ کے احترام کو سطح زندہ رکھنا اپنے حق میں کاٹنے کا ہے، چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں جو مراسلہ گورنمنٹ کو بھیجا تھا اس کی عبارت یہ ہے :-

"میں اس پالیسی کے ساتھ موافقت نہیں کرتا جو سٹن صاحب نے خاندان شاہی کے ساتھ اختیار کر رکھی ہے، جو شخص گورنمنٹ کی طرف سے دہلی میں حکمرانی کیلئے مقرر ہو وہ بادشاہ کی تعظیم طرح کرتا ہے جس سے بادشاہی

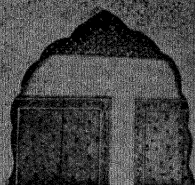
قوت کے بیدار ہونے کا اندیشہ ہے، حالانکہ ہم اس کو ہمیشہ کے لئے
سکادینا چاہتے ہیں، ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ بادشاہ کو بادشاہی کے
دوبارہ اختیار و اقتدار حاصل ہوں، اس لئے ہم کو ایسی حرکتیں نہیں کرنی
چاہئیں جس سے اس کے دل میں اپنی بادشاہی حاصل کرنے کی تمنا پیدا ہو
اس کا ادب اس کی شان کے موافق کرنا چاہیے۔ اس کو خوش و خرم اور آرام
اسرائش سے رکھنا چاہیے اگر ہم نہیں چاہتے ہیں کہ اس کی حکومت کو
پھر دوبارہ قائم کریں تو ہم کو چاہیے کہ بادشاہی کا خیال اس کے
خواب میں بھی نہ آنے دیں۔“

چند سال کے بعد یہی حکماء صاحب ملی کے ریڈنٹ مقرر ہو گئے اور جب ان کے ہاتھ
میں پوری طرح سے سب اختیارات آ گئے تو انہوں نے نہایت ناعاقبت اندیشی سے
بادشاہ کی عزت و احترام کے خلاف ایسی ایسی ناشائستہ و نازیبا حرکتیں کرنی شروع
کیں جو عقل و انسانیت سے بالکل بعینہ علوم ہوتی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور ان کے
خاندان اور ان کے امراء اور مذہبی پیشوا اور شہر کے سب باشندے دل ہی دل میں ہٹن
گورنمنٹ کے خلاف پیچ و تاب کھاتے لگے اور شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا
کہ ہم کو کسی صورت سے یہ بوجہ اپنے سر سے اتار کر پھینک دینا چاہیے۔
اور یہ دوسری بنا ماراضی کی تھی جو ایک انگریز نے اپنی قوم کے خلاف ہندوستانیوں کے
دل میں ڈالی اور ارمی سہہ کو اس کا نتیجہ دیکھا۔

بہادر شاہ کی تخت نشینی

۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کی شام کو اکبر شاہ بادشاہ نے بیاسی برس کی عمر میں اس جہان سے
رحلت کی اور ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی تخت پر بیٹھو۔ بہادر شاہ

تیموری چراغ کی آخری
روشنی - سید لود ۵۶
ہجرت کے پہلے ہو گیا -



نہادہ جوان است

مسئلہ میں پیدا ہوئے تھے تخت نشین کے وقت ان کی عمر ۶۰ برس کی تھی وہ بہت مسکین طبع، صوفی مزاج، خوش بیان شاعر بادشاہ تھے، ان کے باپ نے اپنے دوسرے بیٹے مرزا سلیم عرف مرزا جہانگیر کو وسیعہ بنانے کی کوشش کی تھی، مگر چونکہ مرزا جہانگیر انگریزوں سے بہت نفرت رکھتے تھے اور انہوں نے سیٹن صاحب رزڈنٹ پر گولی چلا کر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور ان کو تو کوکھک مذاق اڑایا تھا اس واسطے انگریزوں نے ان کی وسیعہ منظور نہ کی اور جلا وطن کر کے الہ آباد بھیج دیا۔ پھر اکبر شاہ نے اپنے دوسرے بیٹے مرزا نیلی کے لیے کوشش کی مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ آخر بہادر شاہ کو بادشاہ بنایا گیا۔

جبوقت بہادر شاہ تخت نشین ہوئے لارڈ آکلینڈ ہندوستان کے گورنر جنرل تھے اور سر چارلس ٹکاف لفٹنٹ گورنر تھے۔ یہ وہی ٹکاف تھی جنکی ناعاقبت اندیشی نے بادشاہ اور ان کے خاندان کو برٹش گورنمنٹ سے ناراض کرانے میں بڑے بڑے کام کیے تھے، بہادر شاہ نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے اپنا وظیفہ بڑھوانے کا مطالبہ کیا، کیونکہ برٹش گورنمنٹ ان کے باپ اکبر شاہ سے اسکا وعدہ کر چکی تھی لیکن ٹکاف صاحب نے امید کے موافق اس مطالبہ کی سخت مخالفت کی اور رانگی مخالفت کے سبب یا کسی اور وجہ سے گورنر جنرل نے بھی گورنمنٹ کے وعدے کو پورا نہ کرنا مناسب خیال کیا اور یہ جواب دیا کہ بیشک سرکار نے وظیفہ بڑھانے کا وعدہ کیا ہے لیکن وہ جب ہی پورا کیا جائے گا کہ بادشاہ اپنے ان تمام دعووں سے جو وہ برٹش گورنمنٹ پر رکھتے ہیں باضابطہ دست بردار ہو جائیں، لیکن بہادر شاہ نے جواب دیا کہ اگر میں باپ کا بیٹا ہوں تو وہی کہوں گا جو میرے باپ نے کیا اور برٹش گورنمنٹ کی کسی شرط کو قبول نہ کروں گا۔

اس ناکامی سے ایک تیسری بنیاد تاراضی کی بادشاہ اور دہلی والوں کے دونوں انگریزوں

کے خلاف پیدا ہوئی۔

اکبر شاہ مرحوم نے راجہ رام موہن رائے نامور بھوسماجی کو اپنا سفیر بنا کر لندن بھیجا تھا، وہاں راجہ صاحب کی ذاتی خاطر داری تو بہت ہوئی مگر ان کے حرف مطلب کے ایک انگریز نے بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور وہ بیچارے اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہے جس کے سبب دہلی کے خاندان شاہی اور عام باشندگان کو اپنے زمانہ آئندہ کی طرف سے طرح طرح کے خطرے پیدا ہونے لگے۔

بادشاہ کی نذر بند کر دی گئی

۱۸۵۷ء میں جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو حسب دستور کمانڈر انچیف نے بھی ان کے سامنے نذر پیش کی تھی جس طرح کہ عیدین اور نوروز اور بادشاہ کی سالگرہ کے دن گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کی طرف سے بادشاہ کے روبرو ریزیڈنٹ کی معرفت نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ مگر لارڈ آئرن رائے ان نذروں کو بھی بند کر دیا جس کا بادشاہ اور دہلی والوں کو سخت عدمہ ہوا۔ اسی طرح بات بات میں روزانہ انگریز افسر بادشاہ کی ذلت و توہین کی باتیں کرتے تھے سر چارلس مٹکلف کو بہادر شاہ اپنی خطوں میں فرزند ارجب نہ لکھا کرتے تھے سر چارلس مرگوا اور ہار کو صاحب کھنٹ ہو کر دہلی آئے تو انہوں نے بادشاہ کو لکھ دیا کہ مجھ کو تمہارا فرزند بنا منظور نہیں ہو مجھے فرزند ارجب نہ لکھنا۔

جارج طاس

مشر جارج طاس نامی ایک بڑے لائق کھنے والے اور بولنے والے یورپین کو بہادر شاہ نے نوکر رکھا تھا تاکہ وہ انکی طرف سے بڑش گورنمنٹ کے سامنے شاہی مطالبات پیش کرے، مگر مشر جارج طاس کی بھی کسی نے نہ سنی اور شاہی خاندان اور باشندگان دہلی نے یقین کرنا شروع کر دیا کہ اب رفتہ رفتہ ہماری روح نقین ہوتی جا رہی ہے۔

بادشاہ کی آمدنی

بہادر شاہ کو ایک لاکھ روپیہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی اور ۱۰ لاکھ روپے سالانہ کوٹ قاسم کے علاقہ کا آتا

تھا اور شہر کے مکانات کے کرایہ کی بھی کچھ آمدنی تھی۔ اس ایک لاکھ روپیہ ماہوار سے ایک ہزار روپیہ مہینہ لکھو بھیجا جاتا تھا جہاں بہادر شاہ کے خاندان کے کچھ لوگ رہتے تھے، اور باقی قلعہ کے کثیر شاہی خاندان میں تقسیم ہو جاتا تھا، اور وہ بادشاہ جس کے بڑے تمام ہندوستان کے خزانوں کے مالک تھے بڑی تنگدستی سے بسر اوقات کرتا تھا۔

ولیعہدی کا جھگڑا

۱۸۵۹ء میں بہادر شاہ کے ولیعہد دارالنجت نے انتقال کیا، اس وقت نئے دلی عہد کے منتخب کرنے کا جھگڑا پیش آیا۔

بادشاہ کو زینت محل سلیم تمام بیگمات سے زیادہ عزیز تھیں، ان کے بیٹے کا نام جواں بخت تھا، چونکہ زینت محل کو بادشاہ کے خراج میں بہت دخل تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا جواں بخت تخت نشین ہو، اس واسطے بادشاہ بھی جواں بخت کی دلی عہدی کے لیے کوشش کرتے تھے۔

مگر لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کسی دوسرے ہی خیال میں تھے، ان کی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح دہلی کی بادشاہی کی ظاہری دکھاوٹ بھی ختم کر دی جائے۔ اس لیے انہوں نے یکم اگست ۱۸۵۷ء کو ریزیڈنٹ دہلی کے نام ایک حکم بھیجا تھا کہ جب دہلی کا بادشاہ مر جائے تو اس کے جانشین بنانے کے بارے میں ہر معاملہ کی خاص منظوری گورنر جنرل سے لینی چاہیے، اگرچہ تم ریزیڈنٹ نے لکھا ہے کہ آئندہ جو شخص تخت نشین ہو اس کو بادشاہ کے لقب سے محروم کر دیا جائے،

لیکن ہم اس کی موتونی کا حکم جب تک نہیں دے سکتے کہ اس بارے میں پورے مفصل حالات تم سے نہ سن لیں اور جن باتوں کی تم تحریک کرو ان کے مقصد اور وجہ پر ہم فرصت میں غور نہ کر لیں۔“

ولیعہد مرزا دارا بخت کا انتقال لارڈ ڈلہوزی کے لئے ایک بہانہ ہو گیا، اور انہوں نے پوری سرگرمی سے جانشینی کے مسئلہ میں کام کرنا شروع کیا۔ بہادر شاہ کے ایک لڑکے مرزا فتح الملک عرف مرزا فخر دین بس کی عمر کے تھے اور انگریزوں کو بہت پسند کرتے تھے، گورنر جنرل نے اس شہزادہ کو اپنے منصوبوں کے موافق پایا چپا پنچہ گورنر جنرل نے خفیہ طور پر مرزا فخر سے ایک عہد نامہ لکھوایا، جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ تخت نشین ہونے کے بعد لال قلعہ میں نہیں رہے گا۔ لیکن جو قوت بہادر شاہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ مرزا فخر کے جانشین بنائے جانے کی تجویز ہے تو بادشاہ نے اس پر اعتراض کیا، لیکن بادشاہ اور ان کے خاندان کی مرضی کے خلاف مرزا فخر و ولیعہد مقرر ہو گئے۔

آخر ارجوانی ۱۱۵۷ء میں مرزا فخر کو بھی ہیضہ سے انتقال کر گئے تو پھر ولی عہدی کا جھگڑا شروع ہوا، مرزا فخر کی موت کے دوسرے دن سر طاس ٹکافٹ ایجنٹ دہلی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بادشاہ نے ان کو ایک کاغذ دیا جس میں مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کا مطالبہ درج تھا اور اس کے ساتھ ایک محضر بھی تھا جس میں بہادر شاہ کے آٹھ بیٹوں کے دستخط تھے اور مہریں لگی ہوئی تھیں، اس محضر میں لکھا تھا کہ ہم سب خوش ہیں کہ زینت محل کا بیٹا جواں بخت جس میں انانی۔لیاقت علم و خوش اخلاقی کی صفات موجود ہیں ولی عہد مقرر ہو۔ لیکن دوسرے دن بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے مرزا قویاں نے ایک خط ریزیڈنٹ کو لکھا کہ بادشاہ نے شہزادوں کے اضافہ تنخواہ کا اور روپیہ دینے کا وعدہ کر کے محضر پر دستخط اور مہریں کرا لی ہیں اور میں نے

بھی باپ کے حکم کے موافق اسپر دستخط کر دئے تھے، لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ولی عہدی میرا حق ہے کیونکہ میں بادشاہ کا بڑا بیٹا ہوں حافظ قرآن اور حاجی ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا قویاش کی یہ درخواست ان کی ذاتی خواہش سے نہ تھی بلکہ خود گورنمنٹ کے کارندوں نے گورنمنٹ کے اشارے سے ان کو اسپر آدہ کیا تھا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو گورنر جنرل لارڈ کیننگ کو لارڈ ڈلہوزی کے پُرانے منصوبے کو پورا کرنے کے لئے یہ ایک بہت اچھا ذریعہ مل گیا۔ اس لیے انھوں نے اس درخواست کے جواب میں رزیڈنٹ دہلی کو حسب ذیل مراسلہ بھیجا۔

بادشاہی جاہ و جلال کی نقل کے بہت سے زرد و جواہر اتر چکے ہیں جس سے اسکی پہلی سی چمک دکھنے نہیں رہی ہے، اور اس کے وہ حقوق خیر خاندان تیمور کو گھنٹہ تھا ایک دوسرے کے بعد تلف ہو چکے ہیں لیکن کچھ مشکل نہیں ہے کہ قلم کے ایک ڈوبے میں بہادر شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ کا لقب موقوف کر دیا جائے۔ بادشاہ کی نذر جو گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف دیتے تھے، موقوف ہوئی، بادشاہ کا سکہ جو بنایا جاتا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کی فہرست بادشاہ کے فدوی خاص کے الفاظ نکال دیئے گئے اور ہندوستانی رئیسوں کو مانعیت کر دی گئی کہ وہ بھی اپنی مہر و نہیں بادشاہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال نہ کریں، ان تمام امور کے بعد اب گورنمنٹ فیصلہ کر لیا ہے کہ نظا ہر داری کی اب کوئی بات بھی ایسی باقی نہ رکھی جائے جس سے ہماری گورنمنٹ بادشاہ کی ماتحت معلوم ہوتی ہو لہذا بادشاہ دہلی کا لفظ ایسا لقب ہے جس کا باقی رکھنا نہ رکھنا گورنمنٹ کی مرضی پر منحصر ہے۔“

اس کے بعد گورنر جنرل نے اپنے ایجنٹ کو لکھا کہ سرکار مرزا قویاش کی جانشینی کو منظور

کرتی ہے، تم بہادر شاہ سے کہہ دو کہ گورنر جنرل مرزا جواں بخت کی ولیعہدی کے منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں اور مرزا قویاش سے کہہ دو کہ تمہاری ولیعہدی میں وہ شرائط نہیں ہوں گی جو مرزا فخر سے کی گئی تھیں، بلکہ ان کی صورت دوسری قسم کی ہو گی۔ ان کو بادشاہ نہیں کہا جائے گا بلکہ شہزادے کے لقب سے پکارے جائیں گے۔ ان کو قلعہ خالی کرنا ہو گا اور بجائے ایک لاکھ ماہوار کے ۵۰ ہزار روپے ماہوار دیے جائیں گے۔

اور سب سے پر لطف بات مر اسلہ گورنمنٹ میں یہ تھی کہ رزٹرنٹ کو حکم دیا گیا تھا کہ مرزا قویاش کے سامنے یہ تمام شرائط زبانی پیش کی جائیں، تحریر نہ دی جائے۔ جس وقت مرزا قویاش کی ولیعہدی اور ان شرائط کا علم بادشاہ اور ان کے خاندان کو ہوا تو ان کے دلوں میں غصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور دہلی کے ہر باشندے کو اس خبر سے ملال ہوا اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ برٹش گورنمنٹ رفتہ رفتہ جس طرح ہمارا بادشاہ کے حقوق کو فنا کر رہی ہے اسی طرح رعایا کے حقوق بھی اُسکے ہاں محفوظ نہیں ہیں۔ یہ انتہائی ناراضی کا زمانہ تھا۔ ایک طرف پایہ تخت میں یہ حالت درپیش تھی اور دوسری طرف تمام ہندوستان میں وہ اسباب بیچینی پیدا کر رہے تھے جن کا ذکر سرسید وغیرہ نے اسباب بغاوت ہند میں کیا ہے، مرزا قویاش کی ولیعہدی ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی اور ۱۸۵۷ء میں غدر ہو گیا۔ گویا جو پھوڑا مدت سے پک رہا تھا وہ اسی ۱۸۵۷ء کو آخر کار پھوٹ نکلا۔

راعے

میں مورخ نہیں ہوں، مورخوں کے خیالات جمع کر رہا ہوں، مگر ان واقعات پڑھنے کے بعد جو ابھی لکھے گئے ہیں ہر شخص آسانی سے لائے دے سکیگا کہ بہادر شاہ

کے ساتھ جو کچھ برتاؤ ہو رہا تھا وہ گلا گھونٹنے کے ہنسل تھا اور ایسی مایوسی کی حالت میں اگر وہ انگریزوں کی باغی فوج کے شریک حال ہو گئے، تو یہ ایک قدرتی فعل تھا اگرچہ ان کی شرکت فوج کے دباؤ اور مجبور کرنے سے ہوئی تھی، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بادشاہ اور ان کے سبب بھینونکا خیال ہو گیا تھا کہ ہم سب کو سبک دسک کر مرنے سے ایک دفعہ ہی مر جانا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مر کر ختم ہو گئے۔

دہلی میں غدر کی شروعات

اس نکات کے دوسرے تیسرے اور چوتھے اور پانچویں حصے میں اتفاقات غدر کی تفصیل جو دہلی میں پیش آئے پورے طور سے بیان ہو چکی ہے لیکن یہاں بھی سلسلہ بیان قائم رکھنے کے لیے مختصر طور سے ان حالات کو لکھا جاتا ہے جو غدر کی ابتدا میں پیش آئے، یہ میں نے اوپر لکھ دیا ہے کہ غدر کے ان گہرے اور اصلی اسباب کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو تمام ہندوستان میں انگریزی فوج میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کا باعث ہوئے کیونکہ ان کو سرسید احمد خان نے ایک مستقل رسالہ اسباب بغاوت ہند میں تفصیل کے ساتھ قلمبند کر دیا ہے اور وہ رسالہ علی گڑھ کالج ڈیوٹی شاپ سے آٹھ آنے کو دستیاب ہو سکتا ہے میں نے تو یہاں صرف دہلی والوں کی بنائے ناراضی لکھی سبب جانی کیونکہ سرسید ان باتوں کو اچھی طرح کھول کر نہیں لکھا تھا۔

اب میں

غدر کے حالات

شروع کرتا ہوں، غدر سب سے پہلے میرٹھ چھاؤنی میں شروع ہوا۔ ۱۰ اگست ۱۸۵۷ء اتوار کے دن صبح کے وقت انگریز لوگ گر جا جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور ان کو بظاہر

کسی بڑے واقعہ کا اندیشہ نہ تھا۔ کار تو سونا کا چربی کا جھگڑا سب نگرینوں کو معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ فوج بہت برا فروختہ ہو رہی ہے، کیونکہ اس سے دو دن پہلے جب پریٹ کے موقع پر سپاہیوں کو کار توں دیئے گئے اور کرنیل سماتھ نے ان کو بھیجا کہ ان میں گائے یا سور کی چربی لگی ہوئی نہیں ہے تم کو یہ غلط خبر دی گئی ہے اگر تم ان کو دانت سے نہیں کاٹ سکتے تو چٹکی سے توڑ سکتے ہو۔ یہ وہی کار توں ہیں جنکا ۳۰-۴۰ برس سے رواج چلا آتا ہے، مگر سپاہیوں پر اس تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا اور انھوں نے کار توں کے لینے سے الکار کیا۔ اس پر ۵۸ آدمیوں کو حوالات بھیجا گیا پھر ۹ مئی شہنشاہی صبح کو یورپین اور ہندوستانی فوج پریٹ میں جمع ہوئی اور انگریز افوں نے ۵۸ ملزموں کو حوالات سے بلایا اور ان کو دس دن برس کی قید کا حکم سنایا، انکی دریاں تمام دیسی فوج کے سامنے سر میدان آتاری گئیں اور اسی جگہ ان کو پٹریاں پہنائی گئیں، اس نظارہ کو تمام دیسی فوج کھڑی ہوئی دیکھتی تھی، اور قیدی پکا چکا کر اپنے بھائیوں کو غیرت دلاتے تھے کہ جاؤ تم چوڑیاں بھنکر اپنی بیویوں کے پاس بیٹھ جاؤ ہم پر ظلم ہو رہا ہے اور تم چپ چاپ کھڑے دیکھتے ہو، تم ہندوستانی نہیں ہو، کیونکہ ہندوستانی اپنے بھائی برعزت و جان قربان کر دیا کرتا ہے،

باوجود اس ملامت کے دیسی فوج خاموش کھڑی رہی اور اس نے کچھ چونچرا نہ کی کیونکہ گوروں کی سل فوج وہاں موجود تھی اور وہ بے سرو سامانی میں تھہرا اٹھانا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، تاہم ان کے چہرے غیرت و غصہ سے لال ہو رہے تھے ان کی آنکھیں طیش کے مارے باہر نکلی پڑتی تھیں، ان کی گردن کی گیس پھول رہی تھیں ان میں سے بعض اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے چباتے تھے اور بعض مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے گویا وہ کہتے تھے کہ ہم تم قیدیوں کا انتقام لیکر رہیں گے۔

جب قیدی پاچولاں ہاں سے روانہ کر دیئے گئے تو فوجی سپاہی بھی اپنی اپنی

بارگاہوں میں واپس چلے آئے مگر ان کے تیور بہت بگڑ چکے تھے، لارڈ کیننگ نے میرٹھ کے اس واقعہ کی نسبت ایک دفعہ کہا: ”پریٹ پر سوار وکٹ پاؤں میں بیڑیاں ڈالنی جس کے اندر کئی گھنٹے لگے ہوں گے اُن سپاہیوں کے سامنے جو سرکار سے پہلے ہی ناراض تھے اور اُن میں بہت سے ایسے تھے جو کارتوس کی چربی کی کہانی پریقین کرتے تھے خواہ مخواہ ایک تیز ٹمک لگا نا تھا، اور انگریز افسروں کی ایسی بیوقوفی تھی جو خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔“

کمانڈر انچیف نے کورٹ مارشل کے فیصلہ کو تو قائم رکھا مگر پریٹ پر بیڑیاں پہنانے کو انھوں نے بھی خلاف دستور بتایا اسی دن شام کو میرٹھ کے بازاروں میں یہ خبریں اڑ رہی تھیں کہ انگریزوں نے دو ہزار بیڑیاں بنوائی ہیں جو کل کے دن باقی ماندہ سپاہیوں کو پہنائی جائیں گی، اُسی رات کو کھانے کے وقت مینر کے اوپر انگریز افسرین کو اطلاع دی گئی کہ مسلمانوں نے دیواروں کے اوپر اشتہار لگا دیے ہیں کہ انگریزوں سے جہاد کرنے کا وقت آگیا ہے۔

الغرض باوجود ۹ مئی کے ان واقعات کے، امرتھی کی صبح کو انگریز ہلال طمن تھے اور گر جا جانے کی تیاریاں کر رہے تھے، ایک گریز لکھتا ہے کہ اُس دن صبح کی وقت بظاہر تو کچھ بچل نہ تھی مگر آسمان کی صورت سے ڈر لگتا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے کوئی بلا نازل ہونے والی ہے، بارگاہوں کے ہندوستانی نوکر شہر کی طرف بھاگے ہوئے جا رہے تھے، انگریزوں کے ذاتی نوکر بھی نوکری سے غیر حاضر ہوتے جاتے تھے مگر انگریز سپر بھی زیادہ فکر مند نہ تھے، کیونکہ وہ ہندوستانیوں کو بھٹ کے گیدڑوں کی طرح خاطر میں نہ لاتے تھے، ویسی فوج کی لائنوں میں اور صدر بازار میں ایک بڑی شورشن کی عکاسی ظاہر ہو رہی تھیں، یہ چرچا بھی ان کے کانوں تک پہنچا کہ عام طور سے مشہور ہو رہا ہے کہ آج گورے سپاہی سرے پاؤں تک مسلح ہو کر

کالے سپاہیوں کو ہتھکڑیاں پہنائیں گے۔ بازاروں کو لوٹیں گے، اور شہریوں کا قتل عام کریں گے، غرض تھوڑی دیر کے بعد ویسی فوج کے سوار اور پیدل جیلخانہ کی طرف گئے جن میں کچھ دردی پہنے ہوئے تھے اور کچھ ویسی لباس میں تھے۔ کرچیں اور سپتول ان کے ہاتھ میں تھے، انھوں نے جیلخانہ کو توڑ ڈالا اور اپنے فوجی بھائیوں کو قید سے چھڑا لیا۔ اور لوہاروں سے ان کی بیڑیاں کٹوا کر اپنے ساتھ لائیں لے آئے۔

ادھر تو انگریز گر جاکے نماز میں تھے اور یہاں قیدی چھڑائے جا رہے تھے۔ مگر فوج نے نہ تو جیلخانہ کے افسروں کو ستایا اور نہ کسی اور انگریز پر ہاتھ اٹھایا، اور نہ وہ گر جا کر حملہ آور ہوئے۔ اگر وہ اس وقت گر جا کر حملہ کر دیتے تو ایک انگریز بھی زندہ سلامت نہ رہتا۔ کیونکہ وہاں سب انگریز بے ہتھیار تھے، گر جاکے نماز کے بعد فوج نے دیکھا کہ گورنر فوج پر بیڑیاں کھڑی ہے۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہکو قید اور قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اس لئے انھوں نے اپنی چھاؤنی کے چھپڑوں میں بند وقوں کے فیر کر کے آگ لگا دی، جب انگریز افسروں نے یہ فساد دیکھا تو وہ انتظام کے لئے لائٹوں میں دوڑے ہوئے آئے اور سپاہیوں کو دھمکیوں اور خوشامدوں سے سمجھانے لگے، مگر سپاہیوں پر کچھ اثر نہیں ہوا، انھوں نے کہا کہ اب کمپنی کا راج ختم ہو گیا۔ تم ہمارے سامنے سے چلے جاؤ۔ ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے۔ مگر ہم لو تمہارا بادشاہ بنا بھی منظور نہیں ہے، لیکن افسروں نے اپنی قوت سے ان کو دھمکانا چاہا۔ جس سے مشتعل ہو کر میونسپلٹی کے سپاہیوں نے سب سے پہلے بند قیدیں اٹھائیں اور کرنیل فینٹس پر گولیاں چلائی گئیں، یہ پہلا انگریز تھا جو قتل ہو کر گھوٹے سے گرا۔ اس کے بعد قتل اور لوٹ مار کا بازار خوب گرم ہو گیا۔ علاوہ کرنیل فینٹس کے انھوں نے سات دوسرے افسروں کو اور تین افسروں کے بیوی بچوں کو بھی مار ڈالا۔ انکو جہاں کہیں انگریز مرد و عورت۔ یا بچہ نظر آتا تھا وہ اس کو فی الفور قتل کر دیتے تھے۔

و کٹر ہیوگوٹ لکھتے ہیں کہ ہندوستانی شہروں کے مکانات جنگلوں کے بھٹوں کی طرح ہوتے ہیں، جسکے اندر رہنے والے اگرچہ انسانی شکل رکھتے ہیں لیکن وہ نہایت موذی اور ہتیناک ہوتے ہیں، اور میرے خیال میں ہندوستانی بھٹوں کے انسانوں سے جنگلی بھٹوں کے حیوان اچھے ہوتے ہیں۔ میرٹھ میں یہی دیکھنے میں آیا کہ شہروں اور دیہات کے بھٹوں سے بیشمار ہندو مسلمان بھگڑ آ گئے تھے اور انگریزوں کے ساتھ درندوں کا سا کام کر رہے تھے۔“

قصہ مختصر تمام دیسی فوج بگڑ گئی اور اُس نے شام کے وقت دہلی کی طرف کوچ کر دیا، انگریزی فوج ایسی حواس باختہ ہوئی کہ نہ تو اُس سے اس بغاوت کا انتظام ہو سکا اور نہ وہ باغیوں کا تعاقب کر سکی۔ نہ اُس کو یہ معلوم ہو سکا کہ باغی فوج کدہ گئی حالانکہ میرٹھ میں بہت بڑی جمعیت گورافوج کی موجود تھی مگر بقول ٹرہیوگوٹ کے میرٹھ کا بریگیڈیر جنرل ولسن ایسا سرسیمہ ہو گیا تھا کہ وہ بالکل نہیں سمجھ سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے تمام رات شہر کے چاروں طرف گورافوج کا محاصرہ رکھا مگر ہندوستانی فوج کو دہلی جانے سے نہ روکا، اگر اس رات باغی دہلی نہ جاسکتے تو غدر کا یہ قصہ اتنا طویل نہ بگڑتا۔

۱۱۔ مئی دہلی کا غدر

منشی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

۹ مئی ہفتہ کا ذکر ہے کہ مٹر ایف ٹیلر پریسل ہٹی کل لے نے مولوی سید محمد صاحب مدرس اول عربی سے پوچھا کہ شہر کی کیا خبر ہے تو انہوں نے کہا کہ میرٹھ میں غدر پھنے کی خبریں مشہور ہو رہی ہیں اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اہل انگریزی عملداری کا خاتمہ ہونی والا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ دیوانوں کے خیالات ہیں ورنہ آپ کی سرکار کا انتظام ایسا اعلیٰ درجہ کا ہے کہ آپ کی سلطنت میں خلل پڑنے کا کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب

کی بات سن کر سپہ سالار صاحب نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا کہ سلطنت خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ انسان کے انتظام پر نہیں ہے۔
میرٹھ میں انگریزی فوج بریڈ کے میدان میں پڑی سوئی رہی اور تیسرے سال کے ہندوستانی سوار چاندنی رات میں گھوڑوں پر سوار دہلی کی طرف دوڑتے ہوئے اور کسی جگہ بھی انھوں نے لگاؤ کو نہ روکا۔ یہاں تک کہ صبح نماز کے وقت وہ دہلی پہنچ گئے اور پہنچتے ہی انگریزی بنگلوں اور کوٹھیوں میں آگ لگانی شروع کر دی اور جو انگریز ملا اس کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھی نہایت برجمی کا سلوک کیا گیا۔

بیدر ہندوستانی اور ان کے مظالم

اس کتاب میں انگریزی فوج کے مظالم کا تذکرہ زیادہ آئیگا، مگر اس موقع پر یہ اقرار کرنا قرین انصاف ہے کہ ہندوستانی فوج والوں اور دیسی باشندوں نے بھی غدر کے شروع میں سفاکی اور برجمی کو حد سے بڑھا دیا تھا، اور ان کے ستم ایسے ہوں کہ تھے کہ ہر قسم کی سزا ان کے لئے جائز کہی جاسکتی ہے، انھوں نے سیکس رتوں کو قتل کیا۔ انھوں نے حاملہ عورتوں کو ذبح کرنے سے دریغ نہ کیا، انھوں نے دودھ پی کر بچوں کو اچھا لالا اور خلیج کی نوکوں پر روک کر بے زبان معصوموں کو پھینک ڈالا۔ وہ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں تلواریں بھونک دیتے تھے، غرض کہ کوئی ظلم و ستم ایسا نہ تھا جو ان کے ہاتھ سے انگریزوں اور ان کے بیوی بچوں پر نہ ٹوٹا ہو۔

منشی ذکار اللہ صاحب نے چشم دید حال لکھا ہے کہ میں نے ایک میم کو دیکھا جس کے آس پاس باغی سپاہیوں کا محاصرہ تھا، وہ دودھ پیتے بچہ کو گود میں لئے جاتی تھی، تولیہ سے بچہ کو ڈھک رکھا تھا۔ ساتھ میں ایک خور سال ٹرکا بیل چل رہا تھا۔ بازار

والے اس میم کو نکلی کلواریں دکھا دکھا کر قتل کے اشارے کرتے تھے، تلواریں دیکھ کر وہ بچہ ماں کو چمٹ جاتا تھا اور وہ بیچاری بھی ہنکھڑی ہو جاتی تھی یہاں تک کہ اس کو قلعہ میں لے گئے۔

لال قلعہ کے اندر جو انگریز عورتیں اور بچے قتل ہوئے وہ بھی نہایت سخت واقعہ تھا، کوئی قوم مذہبی یا ملکی معاملات کے لئے عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کرتی اگرچہ بہادر شاہ عورتوں اور بچوں کو قتل سے بہت ناراض تھا اور انہوں نے آخر تک اس کی اجازت نہ دی کہ ان عورتوں اور بچوں کو قتل کیا جائے جو قلعہ میں تھے تاہم ان منطلعموں کو ہلاک کرنے والے بھی ہندوستانی تھے جنہوں نے اپنے رحم دل ملک کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ ان کے شرمناک فعال نے تمام ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے رحم و انصاف کی نظروں میں ذلیل کر دیا۔

اگرچہ انگریزی فوج کی زیادتیاں بھی اس لئے غیر منصفانہ تھیں کہ انہوں نے بے تصور لوگوں کو بھی پھانسی پر لٹکایا یعنی جن لوگوں نے ان کی عورتوں پر ظلم کرنا تھا ان کے علاوہ بھی بہت سے بے گناہ بغیر کسی تحقیق کے قتل کر دیے گئے اور دوسری قسم کی بے احتیاطیاں بھی بکثرت ہوئیں جبکا ذکر آگے آئے گا، تاہم میر سہر شرم و ندامت سے اونچا نہیں ہوتا جب میں اپنی قوم کی اس دردناک سفاکی کا حال پڑھتا ہوں جو اس نے دہلی شہر کے اندر ارمی سٹیشن اور اس کے بعد کے زمانہ میں روا رکھی۔

جب میرٹھ سے بغاوت کر کے سوار اور پیدل دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو تمام راستہ انکو فکر رہا کہ پیچھے سے انگریزی لشکر آتا ہوگا اس لیے وہ خطر طر کر دیکھتے جاتے تھے، مگر انگریز تو میدان پر بڑے سوتے تھے، باغی دریا کے کنارے پہنچے تو ہندو سپاہیوں نے ”جمنامانی کی جے“ کا نعرہ لگایا۔

کشنر دہلی کی غفلت

مسٹر سائمن فریزر جبکی شہرت آج تک دہلی کے دیہات میں ہی غدر سے پہلو دہلی کے کشنر تھے، ان کی نسبت دہلی میں عام طور پر مشہور تھا اور ہے کہ انکی نیند نے غدر کی آگ بھڑکائی، اگر وہ نیند کے شوقین نہ ہوتے تو دہلی کا انتظام ہو جاتا اور باغی شہر کے اندر نہ آنے پاتے

وہ شہرت یہ ہے کہ جس وقت میرٹھ میں غدر شروع ہوا وہاں کے افسروں نے بہت روپیہ خرچ کر کے چند ہندوستانیوں کے ہاتھ کشنر فریزر صاحب کو خط بھیجا تھا کہ یہاں غدر ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ باغی دہلی آئیں اس لئے تم وہاں کا بند و بست کرو۔ یہ خط آدھی رات کے قریب دہلی میں کشنر صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ صاحب سو گئے تھے، (میری والدہ مجھ سے کہا کہ غدریں مشہور ہوا تھا کہ صاحب نے شراب بہت پی تھی) نوکروں نے جگایا اور خط دیا۔ صاحب نے خط جیب میں ڈال لیا اور پھر سو گئے، خط کھوکھو نہ پڑا، اور جب خط لایا تو اس صاحب کے نوکروں نے کہا کہ معاملہ بہت نازک ہے صاحب کو جگاؤ اور کہو کہ خط پڑھ لیں، تو نوکروں نے کہا ہم صاحب کو جگانے ہوئے ڈرتے ہیں وہ بہت تیز مزاج ہیں۔ چنانچہ کشنر صاحب کو کسی نے جگانے کی جرات نہ کی اور صبح تک وہ سوتے رہے اور صبح بیدار ہو کر جب انہوں نے خط پڑھا تو اس وقت بند و بست شروع کیا مگر باغی شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

منشی ذکار اللہ صاحب کا بیان ہے کہ خط آنے کی شہرت تو دہلی میں میک تھی مگر یہ واقعہ تحقیقات سرکاری سے ثابت نہیں ہوا۔
ثابت کیونکر ہوتا۔ صاحب تو ارمی کو قتل ہو گئے تھے خط بھیجنے والوں نے بھی بات کی

دبانے کی کوشش ہوگی تاکہ مرنے والے پر غفلت کا الزام نہ لگ سکے، ورنہ صاحب کے گھر کا واقعہ خواہ مخواہ مشہور نہ ہوتا، اور ہندوستانیوں کو ایسی غلط بات مشہور کرنے کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی،

بہر حال اگر خط کا واقعہ سچا ہے تو کشر صاحب کی غفلت بڑا نقصان پہنچایا اور بعد میں جس قدر خوفناک کشت و خون ہوئے ان سب کی ذمہ داری فریزر صاحب کی نیند پر ہے اور میرٹھ میں اسکا بوجھ گورہ فوج پر ہے جس نے باغیوں کا تعاقب نہ کیا اور پریٹ کے میدان میں بیٹھے سوتے رہے۔ یہ دونوں ہوشیار ہوتے تو غدر کی روک تھام شروع ہی میں آسانی سے ہو جاتی،

منشی ذکا اللہ صاحب نے لکھا ہے: "میں نے خود دیکھا کہ سامن فریزر صاحب کشر دہلی دو گھوڑوں کی بگھی میں سوار ہیں اور ان کے پیچھے اردلی میں جھجھ کے سوار چلے جاتے ہیں، کشر صاحب نے اپنی بگھی کو میکزین کے پاس تھمایا، وہاں تلنگوں کی کپنی وردی پہنے کھڑی تھی، اس کے صوبہ دار کو کشر صاحب نے بلا کر کچھ باتیں کیں جو میں نے نہیں سنیں، مگر لوگوں نے جب صوبہ دار سے پوچھا کہ کیا باتیں ہوئیں تو اس نے کہا کہ صاحب کشر پوچھتے تھے کہ ہمارا ساتھ دو گے یا نہیں؟ ہم نے کہہ دیا کہ ہم اپنے دہرم کے ساتھی ہیں، ان تلنگوں نے کشر صاحب کی سلامی بھی دستور کے موافق نہیں اتاری، کشر صاحب نے اپنی سواری آگے بڑھائی، ان کی بگھی کے گرد آدمیوں کی بھیر لگی ہوئی تھی جب میں آگے قلعہ کے پنج لال ڈکی کی ٹرک پر آیا تو میں نے دیکھا کہ ٹرک پر میٹر بھجنس مجسٹریٹ دہلی گھوڑا دوڑا ہے چلے آتے ہیں اور ان کے پیچھے دو اردلی کے سوار اور شرف الحق کو توال بھی ساتھ ہیں، پھر کھوڑی دیر کے بعد آٹھ سات ترک سواروں کو گھوڑے دوڑاتے ہوئے دکھائے دئے، جنکو دیکھ کر میں نے گھر چلا آیا۔" فریزر صاحب نے کلکتہ دروازہ کو بند کر دیا تھا۔ باغیوں نے جب اس کو بند دیکھا تو

وہ دریائے کنارے کنارے جھروکوں میں قلعہ کے دشمن برج کے پنجے گئے اور بادشاہ کی دوہائی دیکر کہا: "ہم کو اپنے مذہب کے لٹو لڑنے کے واسطے بادشاہ کی امداد دینا ہے، بادشاہی ہمارے دین دنیا کے محافظ ہیں" مگر بادشاہ نے ان کی دہائی کا کچھ جواب نہیں دیا، اور نہ ان کے سامنے آئے۔ البتہ بادشاہ نے حکیم احسن اللہ خان اور غلام عباس شمشیر لدو کو بلا یا اور غلام عباس کو حکم دیا کہ کپتان ٹوگلن صاحب قلعہ دار کے پاس جا کر سواروں کے آنے کی خبر دیدو۔ غلام عباس تھوڑی دیر کے بعد کپتان ٹوگلن کو اپنے ساتھ قلعہ میں لے آئے کپتان صاحب فوراً برآمدہ میں آئے اور زیر جھروکہ جو سوار کھڑے تھے ان سے کہا کہ یہ بادشاہ کی خوبگاہ ہے تم اپنی داد فرماؤ۔ بادشاہ کو تکلیف نہ دو یہ تمہاری فریاد سننے کی جگہ نہیں ہے، کوٹلے کی طرف جاؤ وہاں جو عرصہ کرنا ہے کرو، شنوائی ہوگی، سوار راج گھاٹ کی طرف چلے گئے، بادشاہ کپتان جہا کے آنے کی خبر سنکر دیوان خاص کے کھلے صحن میں نکل آئے تو کپتان ٹوگلن نے ان سے کہا کہ حضور گھبراہٹ میں نہیں، یہ شور و شر فوراً رفع کر دیا جائے گا۔

باغی سوار راج گھاٹ کے دروازہ کی طرف آئے، یہ دروازہ بھی فریاد صحن کے بند کر دیا تھا، مگر جونہی سوار وہاں پہنچے دروازہ خود بخود کھل گیا۔ دروازہ کھلنے کی نسبت عجیب غریب شہرتیں دہلی میں ہوئی تھیں، کوئی کہتا تھا کہ ایک سہنر پوش سوار آسمان سے اتر آ اور اس نے دروازہ کھول دیا، کوئی کہتا تھا پہرے کے سپاہی باغیوں سے مل گئے۔ بہر حال دروازہ کھلا ہوا دیکھ کر باغی شہر کے اندر گھسے اور انگریزوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جب سوار شہر میں داخل ہوئے تو "دین دین" کے نعرے لگاتے جاتے تھے اور دین دین کی آوازیں سنکر مسلمان باشندوں کی بیخبران کے ساتھ جمع ہوتی جاتی تھی، ہندو باشندے بھی سواروں کو اولوں اور بتا شولک شربت لیٹوں میں جگہ جگہ پلا رہے تھے۔

کشمیر صاحب - کپتان ڈگلز - سر طاس ملکات - بچپن صاحب وغیرہ انگریز کو توالی میں جمع ہوئے - جہاں اور انگریز بھی موجود تھے - سواروں اور باگی شہرلوں نے کو توالی کو گھیر رکھا تھا - ہوت فریزر صاحب نے ایک سوار کے گولی ماری جو صاحب کی طرف آگے بڑھا چلا آ رہا تھا - سوار مر کر گر پڑا - اور اس کے ساتھی ذرا پیچھے ہٹے لیکن شہری باشندوں نے بندوقوں کی کچھ پروانہ کی اور نعرے مار کر انگریزوں پر حملہ کر دیا - یہ دیکھ کر سب انگریز بھاگے - قصہ مختصر اپنی قیام گاہ پر پہنچے پہنچے سٹر فریزر - سٹر ڈگلز اور سٹر بچپن تینوں مارے گئے -

منشی ذکا اللہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے رائے شنکر داس کیل عدالت ججی

ایک ہندوستانی کی وفاداری

نے بیان کیا کہ بلوہ کی خبر سن کر ستمہ حشاشن جج نے کچری درخواست کر دی اور گھوڑے پر سوار ہو کر ہنگامہ کی طرف پہلے تو ایک بوڑھے درزی نے جو صاحب کا پڑا نالام مل تھا ان کے گھوڑے کی باگ موڑ کر کہا کہ صاحب مرے کو کہاں جاتے ہو، اور اصرار کر کے ان کو آگے نہ جانے دیا۔

کپتان ڈگلز کے مکان میں دو نوجوان عورتیں بھی تھیں وہ بھی باغیوں کے ہاتھ سے ماری گئیں، دہلی میں ٹوٹا گیا - اسکا یو پین نیچر مارا گیا - دہلی گزٹ پریس کے عیسائی ملازم قتل کر دیئے گئے، غرض کہ شہر میں بظاہر حالات انگریزوں اور ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور چھاؤنی میں بھی بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی - اور انگریزوں کو دہلی سے بھاگ جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا - باقی حالات غدر دہلی کے افسانے ”جھٹہ دویم“ انگریزوں کی بتاؤ - اور جھٹہ چہارم بہادر شاہ کے مقدمہ اور جھٹہ پنجم میں مفصل شائع ہو چکے ہیں - اب ان کے دوہرانے کی ضرورت نہیں - حاصل مقصد یہ ہے کہ جہاں جہاں بغاوت ہوتی تھی ہندوستانی فوجیں سیدھی دہلی کی

کی طرف آتی تھیں، اور یہاں سب باغیوں کا مجمع ہوتا جاتا تھا، اور بہادر شاہ کے
رہکوں میرزا منگل و میرزا خضر سلطان وغیرہ نے انکی افسری قبول کر لی تھی۔

انگریز بھی باوجود پریشاں حالی اور چاروں طرف کی بغاوتوں کے پنجا کے
سکھوں، نیپال کے گورکھوں اور پنجاہی مسلمانوں کو سمیٹ کر بہارٹی کے مورچے پر
آگئے تھے اور دہلی فتح کرنے کو سب سے بڑا کام سمجھتے تھے، کہ دہلی ہی کے اوپر تمام
شورشوں کے بڑھنے اور گھٹنے کا مدار تھا۔

لہذا اب دہلی کے باغیوں و انگریزوں کی لڑائی کے آخری انجام کا ذکر کیا جاتا
ہے جو دہلی کی فطیل کے سامنے کئی مہینے ہوتی رہی تھی۔

دہلی پر حملہ کی تیاریاں

ستمبر ۱۸۵۷ء کے شروع میں انگریزوں نے باہمی مشورہ سے طے کر لیا تھا کہ جس
طرح بھی ممکن ہو دہلی کو فتح کر لیا جائے، اس لئے ابخیر اور قلی اور سب سپاہی بڑے
زور شور کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پہلے انہوں نے سہمی ہاؤس کے بائیں طرف
ایک مورچہ بنایا، جس پر چھ توپیں لگائیں تاکہ لاہوری اور کابلی دروازے سے آنے
والے دشمنوں کے حملے روکے جائیں اور لاہوری دروازہ کے گڑج سے جو ہوائی مارے
توپیں چلتی ہیں وہ بھی بند ہو جائیں، اس کے علاوہ اس مورچے میں ایک یہ چال بھی
تھی کہ حریف یہ سمجھنے لگے کہ انگریز اس طرف سے حملہ کریں گے اور جب وہ اس مورچے
کی طرف متوجہ ہو تو دوسری طرف سے حملہ کر دیا جائے۔

۶ ستمبر کو تمام سپاہ جو ملک کے لیے آسکتی تھی لگی تھی، جن میں ۶ ہزار ۵۰۰ پیدل
تھے اور ایک ہزار سوار اور ۶۰۰ توپچی۔ اس فوج میں گورے سپاہی صرف
تین ہزار تین سو ستترہ (۳۳۱۷) تھے، دہلی فوج میں سکھ گورکھے اور پنجاہی مسلمان

تھے، اور قلی بھی کثیر تعداد میں تھے، انجنیئروں نے خندق بھرنے کے لئے دس ہزار لکڑیوں کے کٹھے اور بالوریت سے بھرے ہوئے ایک لاکھ پچیسے ہیشمار ٹورس اور زینے تیار کر لئے تھے،

۸ ستمبر کی شام کو جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو یہ سامان اونٹوں اور قلیوں کے ذریعہ سے فہیل شہر کی طرف روانہ کیا گیا، خیال یہ تھا کہ صبح تک سب سامان فہیل تک پہنچ جائیگا، مگر بد قسمتی سے چاند نکل آیا اور اس کی روشنی میں دشمن نے انگریزوں کے سامان کو آتے ہوئے دیکھ لیا، بس دیکھنے کی دیر تھی کہ موری دروازہ کے گڑج گئے تو پول کے ایسے گراب مارنے شروع کیے کہ قلی اور اونٹ اور اکثر سامان چھتر کی طرح اڑ گیا۔ لیکن نقصان زیادہ تر آگے بڑھنے والوں کا ہوا تھا۔ پچھلا حصہ ایک حد تک محفوظ تھا، باغیوں نے سامنے کا میدان صاف کر کے خیال کیا کہ اب حملہ آوروں میں کوئی بھی باقی نہیں رہا ہے اس واسطے گولہ باری بند کر دی اور انگریزی فوج کو ذرا دم لینے کی فرصت ملی۔

دوسرے دن صبح انگریزی توپخانہ نے گولہ باری شروع کی جو اس زور کی تھی کہ دوپہر تک موری دروازہ کا گڑج گسار ہو گیا، اور شہر کی فہیل میں بھی بہت سوراخ پڑ گئے مگر باغیوں کی گولہ باری سے انگریزوں کا بھی بہت نقصان ہوا، اور یجر کے صاحب کے مورچہ میں جو کشمیری دروازہ کے گڑج گئے پر گولہ باری کر رہے تھے آگ لگ گئی جسکو بمشکل بجھا سکا۔ ۸ ستمبر کو انگریزوں نے لڈلو کیل فتح کر لیا جو کشمیری دروازہ سے ۵۰۰ گز کے فاصلہ پر تھا اور جہاں کشمیری دروازہ سے نکل نکل کر باغی دھاوے کیا کرتے تھے، جنگی لحاظ سے یہ مقام بہت اہم تھا۔ دسویں ستمبر کو قدسیہ بلغ میں ایک مورچہ تیار کیا گیا اور اسی دن کپتان ٹیلر نے دریائی گڑج سے ایک سو فٹ گز کے فاصلہ پر ٹم کی کھٹی میں مورچہ بنایا جو نہایت ہی کامیاب مورچہ ثابت ہوا۔ اور

معلوم نہیں کہ باغیوں نے اس مورچہ کا اب تک کیوں خیال نہیں کیا تھا، جب یہ مورچہ بنائے جا رہے تھے تو باغیوں نے توپوں اور بندوقوں سے انگریزوں کا بہت نقصان کیا۔ ۱۱ ستمبر کی صبح کو دونوں طرف سے اس زور شور سے گولہ باری ہوئی کہ زمین ہماں لرزنے لگے، کشمیری دروازہ کے گڑ گج کو اگرچہ خاموش ہونا پڑا۔ لیکن باغی تدبیروں کی جنگ میں کمزور ثابت نہیں ہوئے۔ انہوں نے فصیلوں میں پورا فائدہ اٹھایا اور اس طرح سے توپیں وہاں لیجا کر لگائیں کہ انگریزوں کی ہر توپ کے مقابلہ میں ان کی ایک توپ قائم ہو گئی اور پھر اس غضب کی گولہ باری کی کہ انگریزوں کے چھکے چھڑا دئے۔ انگریزی لشکر کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس کو باغیوں کے گولوں اور گولیوں کے نقصان نہ پہنچا ہو۔ تین سو انتالیس (۳۲۹) آدمی تو بالکل جان سے مر گئے اور زخمیوں کا تو کچھ حساب نہیں۔

۱۲ ستمبر کی رات کو میڈنی صاحب اور لیننگ صاحب فوجی انجنیئروں کو حکم دیا گیا کہ کشمیری دروازہ کے گڑ گج اور دریائی گڑ گج کی خبریں لائیں اور دیکھیں کہ فصیل میں جو شگاف پڑ گئے ہیں وہ فوج کے اندر گھس جانے کے قابل ہیں یا نہیں یہ دونوں دشمنوں کی آنکھ بچا کر خندق کے کنارے پر پہنچے، اور اس کے اندر اتر گئے اور چاہتے تھے کہ شگاف کے اوپر پہنچیں کہ انہوں نے کسی کے آنے کی آہٹ سنی اس لئے یہ دونوں جلدی سے اُٹے پھرے اور وہیں خندق میں چپکے سے گھاس کے اوپر بیٹ گئے، چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی، انگریزوں نے دیکھا چند شکل و شکاف کے سر پر نمودار ہوئے، وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے اور آواز آتی تھی کہ وہ گزروں سے بندوقوں کو بکھر رہے ہیں، یہ دونوں انگریز کئی گھنٹے وہاں بیٹھے اور لیٹے لیٹے انہوں نے معلوم کر لیا کہ شگاف بہت کافی ہیں، لیکن جوہی انہوں نے خندق سے باہر جانا چاہا باغیوں نے ان کے گولیاں مارنی شروع کیں مگر انگریزوں

کی زندگی باقی تھی، گویا کس منساتی ہوئی ان کے کانوں کے پاس سے گزر گئیں۔ مگر کسی کے لگی نہیں، اس کے بعد میڈنی صاحب نے پورٹ بھیجی کہ فیصل میں دڑاڑیں کافی ہیں، اس پر ہوم صاحب اور گرینٹ ہیڈ صاحب نے احکام جاری کئے کہ ۱۴ ستمبر کی صبح کو دہلی پر حملہ کیا جائے گا۔

حملہ کرنے والی فوج کے پانچ کالم بنائے گئے، پہلے کالم کا سردار جنرل نکلسن کو مقرر کیا گیا۔ ان پانچ کالموں میں پانچ ہزار مضبوط سپاہی تھے، کمپ کی حفاظت کے لئے بیماروں اور زخمیوں کو مقرر کیا گیا تھا۔ جاسوسی کے افسر میر ہڈن تھے جنکے پاس شہر کی چھوٹی سے چھوٹی بات تک کی خبریں آتی تھیں، اور شاہی خاندان کے آدمی بھی خبریں بھیجتے تھے، جاسوسی کے میر منشی رجب علی نامی تھے جنکے کاموں انگریزوں کو بہت بھروسہ تھا، اور قلعہ میں میرزا الہی بخش بادشاہ کے سدھی منشی رجب علی کے ذریعہ خبریں بھیجتے تھے۔

۱۴ ستمبر دہلی کی ہار

انگریزوں کا ارادہ یہ تھا کہ بہت سویرے دہلی پر پورسٹ کی جائے، لیکن سپاہی چونکہ رات بھر بکڑوں میں جاگے تھے اس واسطے ان کے آنے میں دیر لگی پہلے ساکھوں رائفل رجمنٹ غل شور مچاتی ہوئی آگے بڑھی اور اسی وقت قدسیہ باغ سے جنرل نکلسن نے بھی اپنی فوج کو آگے بڑھایا اور شہر پناہ کچھنگاؤں کی طرف چلنا شروع کیا۔ باغیوں نے یہ دیکھ کر اس زور سے گولے اور گولیوں کا مینہ برسا شروع کیا کہ انگریزی فوج کو اس بختہ ہو گئی، اور بہت لوگ مارے گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد زینے آگے اور جو لوگ فیصل کے قریب پہنچ گئے تھے انہوں نے زینے فیصل پر پہنچا دئے اور بے پہلو جو شخص اس

فصیل پر چڑھا وہ جنرل نکلن تھا۔ اور بھی دو چار اگر نیر اور دیسی لوگ زینوں پر چڑھ گئے
مگر وہ زخمی ہوئے یا مارے گئے، یا اُن کو داپس ہونا پڑا۔ فصیل کے نیچے اس کثرت
سے آدمی مارے گئے کہ شگاف مُردوں سے بھر گئے۔

پرمٹ کی کوٹھی کی طرف سے جس فوج نے حملہ کیا تھا اس کا بھی بہت نقصان
ہوا، مگر اس کے باوجود وہ شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ کشمیری دروازہ کے قریب
انگریزی فوج نے ایک کھڑکی کو بارود سے اڑا دیا، اور اُس کے اندر ک فوج
شہر میں داخل ہو گئی، تو انہوں نے جا کر یہ دیکھا کہ وہاں صرف ایک توپ لگی ہوئی
تھی، اور اُس کے پاس دو تین باغی تمنگوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ دریائی گڑ گج کی
فوج اور کشمیری دروازہ کی فوج گر جا کے میدان میں آپس میں جا کر مل گئی اور یہاں
پہنچ کر وہ بٹھ کر گئی آگے نہ بڑھی،

چوتھا کالم سبزی منڈی سے کشن گج اور پہاڑ گج کی طرف حملہ آور ہوا تھا
مگر حملہ کے شروع ہوتے ہی ریڈ صاحب جو اس کالم کے افسر تھے سخت زخمی ہو گئے
اور دوسرے بہت سے افسر بھی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ آخر بہت زیادہ
نقصان اٹھانے کے بعد یہ کالم بھاگا اور ہندوراؤ کے باڑے کی طرف چلا گیا۔
وہاں اس کو عید گاہ کی طرف سے بھاگی ہوئی کشمیری بٹھنٹ کی فوج ملی جس سے
باغیوں نے ۴ توپیں چھین لی تھیں اور مارا مار کر بکھر کس نکال دیا تھا۔

نکلسن صاحب کے حکم سے فوج کا ایک حصہ اجمیری دروازہ کی طرف گیا اور
ایک حصہ کو کابلی دروازے کے رُخ سے جامع مسجد تک جانے کا حکم ملا۔ کابلی
دروازہ پر انگریزی جھنڈا گاڑ دیا گیا، مگر باغیوں نے اس سخت مقابلہ کیا کہ اجمیری دروازہ
وغیرہ کی فوج بھاگ کر کابلی دروازہ کے پاس آگئی اور برن گڑ گج باغیوں نے
پہنچ کر لیا، یہ دیکھ کر نکلسن صاحب نے برن گڑ گج پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے

ہنایت سخت حملہ کیا۔ مگر جونہی آگے بڑھے بھرجیکب کے گولی لگی، اور دوسرے بھی بہت سے افسر مارے گئے، فوج نے افسران کو مرتے ہوئے دیکھا تو اُسکے پاؤں لٹکھڑائے اور بھاگنا چاہا مگر حکمن جسادوڑ کر آگے گئی، اور سپاہیوں کے کہا بھاگو مت میرے پیچھے آؤ، یہ کہہ کر فوج کو ساتھ لیا اور آگے بڑھے، مگر فوراً اُن کی چھاتی میں بھی گولی لگی اور وہ گر پڑے، آخر فوج بھاگ کر کابلی دروازہ کی طرف چلی گئی۔

جامع مسجد کی لڑائی

فوج کا ایک حصہ سرطاس مشکاف صاحب کے ماتحت تھا، وہ شہر کے حال سے خوب واقف تھے کیونکہ دہلی کے کلکٹر و مجسٹریٹ رہ چکے تھے، اس لیے وہ اپنی فوج کو ایسے راستوں سے لے گئے جہاں دشمنوں کی انتشار باری بہت کم تھی، وہ جامع مسجد تک پہنچ گئے، اور جہاں آج کل ڈفرن ہسپتال ہو وہاں کھڑے ہو کر کمک کا انتظار کرنے لگے، اُن کو خیال تھا کہ جمہیری دروازہ کابلی دروازہ اور سبزی منڈی کی فوجیں سب وعدہ یہاں پہنچ جائیں گی، اُنہوں نے آدھ گھنٹہ ٹکھڑ کر انتظار کیا، جامع مسجد میں اُس وقت ہزار ہا مسلمان نماز کے لیے جمع تھے، اُن کو معلوم ہوا کہ انگریز مسجد کو بارود سے اڑانا چاہتے ہیں، ان سب کے پاس تلواریں تھیں، بندوقیں تھیں، انکا ایک آدمی کمر پر چڑھا اور اُس نے مسلمانوں سے پکار کر کہا تمہارے امتحان کا وقت آ گیا ہے، انگریزوں کا مقابلہ اپنی باغی فوج سے تھا مگر اب وہ تمہاری مسجد کو ڈھانے آئے ہیں، میں تم کو مرنے کا بلادادیتا ہوں، تم میں سے کون کون جان دینی چاہتا ہے دشمن سامنے کھڑا ہے جس کو مرنا ہو وہ میرے ساتھ شمالی دروازہ کی طرف آئے اور جب کو جان پیاری ہو وہ جنوبی دروازہ کی طرف چلا جائے کہ اُدھر دشمن کی فوج نہیں ہے، یہ تقریر سن کر مسلمانوں نے عجیب کا نفرہ بلند کیا اور اُن میں سے ایک دہلی جنوبی

دروازہ کی طرف نہیں گیا، ان سبے تلواریں میانوں سے کھینچ لیں اور سب سے پہلے میانوں کو کاٹ کر پھینک دیا گیا، گویا انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اب ہماری تلواریں میان میں نہیں جائیں گی، انہوں نے نعرہ نکیر بلند کیا جس کی گونج سے مسجد کے دروازے پر لوہا ہل گئے، اس کے بعد وہ شمالی دروازہ کی طرف دوڑے، جوہنی دروازہ کے باہر آئے مشکاف صاحب نے بندو قوں کی ایک باڑھ مار جس سے دوسو آدمی شہید ہو کر گر پڑے اور مسجد کی سیڑھیاں ان کی لاشوں سے بھر گئیں، مگر مسلمان اس پھرتی سے دوڑے کہ دوسرے اگر اب مار نیکی فرصت مشکاف صاحب کو نہ ملی، اور تلواروں کی دست بدست لڑائی ہونے لگی، مشکاف صاحب ان پر جوش آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ سامنے سے ہٹ جائیں، چنانچہ وہ اور ان کی فوج وہاں سے بھاگی، اور کشمیری دروازہ کے گرد جانک مسلمان ان کا تعاقب کرتے رہے لیکن جب مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ گرجا کے قریب انگریزوں کی اور بہت سی فوج موجود ہے تو وہ سب واپس چلے آئے۔

جواس باختہ جنرل

کیپٹل صاحب جو اس لڑائی میں زخمی ہو گئے تھے کہتی ہیں کہ اگر مجھ کو کمپنچ جاتی اور بارود کے پھیلے میرے پاس آجاتے تو میں جامع مسجد دہلی کو اُس دن ضرور لڑاتا۔ لارڈ رائٹس اپنی تاریخ چہل ویک سال میں لکھتے ہیں کہ "اُس روز میں جنرل وٹسن کیساتھ تھا، جنرل لڈلو کیسل کی چھت پر کھڑے ہوئے لڑائی کا رنگ دیکھ رہے تھے، جب انہوں نے اپنی فوج کی فتحیابی کے آثار دیکھے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کشمیر دروازہ سے گرجا تک آئے، اور دن بھر یہیں رہے، وہ بہت تھکے تھے اور بیمار بھی تھے، جب دن ختم ہونے کو ہوا تو ان کے پاس ایسی بُری بُری خبریں

آئیں کہ وہ گھبرا گئے، اور ان کا دل مایوسی سے بجھنے لگا، انہوں نے سنا کہ یہ جیسا
 کو شکست ہوئی، اور وہ خود بھی سخت زخمی ہوئے، پھر یہ خبر آئی کہ جنرل نکلسن بھی بہت
 سخت زخمی ہوئے ہیں، پھر خبر آئی کہ ٹومبس اور ہوپ گریٹ بھی مارے گئے۔ ان
 سب خبروں کو سنکر جنرل وین ایسا سراسیمہ و براگندہ خاطر ہوا کہ وہ یہ سوچنے لگا
 کہ مصلحت یہ ہے کہ شہر چھوڑ کر پھر اٹے پہاڑی پر چلے جائیں اس نے مجھ حکم دیا کہ یہ
 جو رپورٹیں آئی ہیں ان کی حقیقت حال دریافت کرو اور کالم نمبر ۴ کی خبر لاؤ، کہ
 اسپر کیا گزری؟ میں یہ پیغام لیکر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور کشمیری دروازہ میں آیا
 تو میں نے سڑک کے ایک طرف ایک ڈولی رکھی ہوئی دیکھی جس کے ساتھ کہاں سے
 میں گھوڑے سے اُترا اور ڈولی کے اندر دیکھا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اس کے اندر
 جنرل نکلسن پڑے ہوئے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ کہاں ڈولی رکھ کر لوٹنے چلے
 گئے ہیں، میں اس وقت بڑی تکلیف میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی ہسپتال
 میں پہنچا دے، وہ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا زخم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ نہ چہرہ
 سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے کوئی زخم لگا ہے، اس لیے میں نے کہا آپ گھبراہٹ
 نہیں اچھے ہو جائیں گے، آپ کے کاری زخم نہیں لگا ہے تو انہوں نے کہا
 نہیں صاحب میں تو مر رہا ہوں، میرے جینے کی اب کوئی آس نہیں ہے۔ یہ
 سنکر میں نے فوراً بمشکل چار آدمی تلاش کیے اور ان کو ایک سارجنٹ کے
 سپرد کیا اور زخمی افسر کا نام اس کو بتا کر حکم دیا کہ ان کو ہسپتال میں جلد پہنچا دو۔

اس کے بعد میں گھوڑے پر سوار ہو کر ہوپ گریٹ اور ٹومبس کی تلاش میں نکلا
 اور ان دونوں کو زندہ پایا، یہ دیکھ کر میں فوراً گرجا میں واپس چلا آیا، اور تمام
 حالات بیان کیے، جنرل وین یہ خبر سنکر تو خوش ہوا کہ ہوپ گریٹ اور ٹومبس
 زندہ ہیں، مگر سٹریٹ اور ٹریکسبل کی ناکامیوں کا انوکھن صاحب کے زخمی ہونیکا

اور بہت سے سپاہیوں کے مرنے اور زخمی ہونے کا حال سنگر جنرل کی ہمت بھر پست ہوئی اور اس نے کہا کہ دانشمندانہ کام یہی ہے کہ فوج کو لیکر اٹھا پہاڑی پر چلا جاؤں مگر تمام افسر اس کے خلاف تھے، جنرل نکلن سے پوچھا گیا کہ وکسن شہر سے واپس آنا چاہتے ہیں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس وقت جنرل نکلن پر سکرات کا عالم طاری تھا مگر انہوں نے غصہ سے بے قابو ہو کر اسی حالت میں کہا کہ ابھی تک مجھ میں اتنی قوت موجود ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں وکسن کو گولی سے مار دوں۔ “ غرض وکسن صاحب تمام افسروں کی مخالفت سے مجبور ہو گئے اور شہر سے واپس جانے کا خیال ترک کر دیا گیا۔ “

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو جو دہلی انگریزوں کے قبضہ سے نکلی تھی وہ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پھر دوبارہ قبضہ میں آگئی۔ آج کی لڑائی میں چھپا سٹھ افسر اور ۱۱۰ (گیارہ سو چار) آدمی مجروح و مقتول ہوئے۔ شہر فتح ہو گیا تھا۔ مگر پوری طرح سے قبضہ میں نہ آیا تھا ہتھیار بند دشمن شہر میں موجود تھا اور اس کے پاس توپیں بھی کافی تھیں۔ لیکن چونکہ انگریزوں کے پاس مضبوط مورچے آگے تھے اس واسطے پندرہ۔ سولہ۔ سترہ۔ اٹھارہ ستمبر کی تاریخوں میں جنگ برابر جاری رہی۔ لیکن ہر روز باغیوں کو شکست ہوتی تھی اور وہ آہستہ آہستہ مورچے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، آخر ۱۹ ستمبر تک تمام شہر قبضہ میں آگیا اور جنرل وکسن کو یقین ہوا کہ اب کچھ خطرہ باقی نہیں رہا اور میں واقعی اپنی شہر پر قابض ہو گیا ہوں۔

بہادر شاہ بادشاہ کا گرفتار ہونا

لارڈ گوڈرہائٹ خاں کی تقریر

جب ۱۹ ستمبر کی رات کو انگریزوں نے شہر کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تو بہادر شاہ

نے قلعہ سے نکل جانے کا ارادہ کیا، اس وقت باغیوں کا مشہور سپہ سالار محمد بخت خان جو بریلی کا رہنے والا تھا اور جس کی دانشمندی اور فوجی کارگزاری بادشاہ اور تمام اہل اور فوجی افسروں میں بالاتفاق مانی جاتی تھی، اور جس کو بہادر شاہ کے مزاج میں اتنا دخل ہو گیا تھا کہ اس کی رائے کے بغیر بادشاہ کچھ کام نہ کرتے تھے اور اس کو لارڈ گورنر کا خطاب دیا تھا، رات کے وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، کہ اگرچہ انگریزوں نے دہلی شہر کو لے لیا ہے لیکن اس سے ہمارا کچھ بہت زیادہ نقصان نہیں ہوا، تمام ہندوستان ہمارے ساتھ ہے، اور ہر شخص کی نظر آپ کی ذات اور آپ کے حکم پر لگی ہوئی ہے، حضور کچھ تردد نہ فرمائیں، میرے ساتھ تشریف لے چلیں میں پہاڑوں میں ٹھیکہ ایسی زبردست مورچہ بندی کروں گا کہ انگریزوں کا فرشتہ بھی وہاں نہ آ سکے گا، دہلی پایہ تخت ہے فوجی قلعہ نہیں ہے۔ لڑائیوں کے لئے ایسے مقامات مناسب نہیں ہوتے۔ چند مہینے جو ہم نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور شہر کو بچائے رکھا یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں ہے، ہمارا شہر شیب میں تھا اور انگریز پہاڑی پر تھے۔ کوئی ناخبر بہ کار فوج بھی پہاڑی جیسے مضبوط مورچہ پر ہوتی تو اس کو بھی دہلی کا فتح کر لینا کوئی دشوار نہ ہوتا۔ سب سے بڑی خرابی اس بات نے ڈالی کہ حضور کے صاحبزادے مرزا مغل بہادر فوج کے کمانڈر انچیف بنادے گئے۔ وہ لڑائی کے فن سے واقف نہ تھے، نہ اُن کو یہ معلوم تھا کہ خود اور کمرش فوجوں کو کن طریقوں سے قابو میں لایا جاتا ہے اور ان میں ضبط انتظام اور اطاعت مندی کن صورتوں سے جاری ہوتی ہے، میں نے زندگی کا بڑا حصہ فوجی کام میں صرف کیا تھا۔ اگر میرزا مغل میرے منصوبوں میں رہنے نہ ڈالتے اور خارج نہ ہوتے تو یقیناً اسی خود بہر فوج سے انگریزوں کو شکست دیدیتا۔ ہم کو سب سے بڑی دشواری یہ پیش تھی کہ رسد رسانی کا انتظام کیوں نہ

ہمارے ہاں کوئی نہ تھا، ملک میں اتنی بھلی ہوئی تھتی۔ ہم سب گر پوری یکدلی سے انگریزوں جیسے عاقل دشمن کا مقابلہ کرتے تو بے سرو سامانی کے باوجود اس کو پہاڑی سے بھگا دینا دشوار نہ تھا، مگر ہم کو آپس کے بگاڑ اور ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرنے کے سبب وہ قوتیں جو دشمنوں کے مقابلہ میں خرچ کرنی چاہتے تھیں خانگی جھگڑوں میں بیکار صرف کرنی پڑیں۔

مگر ابھی کچھ نہیں گیا ہے اور کمر عرض کرتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں گیا ہے۔ تمام ہندوستانی ریاستیں اپنی اپنی جگہ پر غور سے چُپ چاپ بیٹھی دیکھ رہی ہیں کہ انوٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، جسوقت ہمارا پلہ ذرا بھی بھاری اور مضبوط ہو جائے گا وہ سب ہماری امداد کے لئے اٹھ کھڑی ہوں گی، کیونکہ ہر ریاست کا دل انگریزوں سے پک گیا ہے اور وہ یقین کرنے لگی ہیں کہ انگریز رفتہ رفتہ ہندوستان کی ہر ریاست کو نگل لینا چاہتے ہیں، ان کو ہمیشہ بہانوں کی تلاش رہتی ہے۔ جھانسی۔ ناگپور اور پونہ کی ریاستوں کا حال سب سے اپنی آنکھوں کے دیکھا ہے کہ انگریزوں نے کیسے عجیب مگر خلاف انصاف حیلوں اور بہانوں سے ان ریاستوں کو ضبط کر لیا۔ ہندوستان کے ہر باشندے کو اپنا مذہب عزیز ہے، اور ہر شخص یقین کرتا ہے کہ انگریز ہمارے پیارے مذہب کو بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ جبراً ہمارے گلوٹن عیسائی مذہب کا طوق غلامی ڈال دینا اپنے مد نظر ہے، اسی حالت میں ان یقین کیجئے، کہ اگر آپ محفوظ مقامات میں بیٹھ کر انگریزوں کا مقابلہ کریں گے تو تمام ملک ہمارا ساتھ دیگا، آدمی رسد کا سامان اور روپیہ اور ہتھیار لڑائی میں انہی چار کی ضرورت ہے اور یہ چاروں ہمو اسل افراط سے مل سکتے ہیں کہ اگر انگریز اپنی ملک کے بچے کو ہیر چڑھا کر لے آئیں تب بھی ہم صدیوں تک ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور آج تو ان کے مددگار ہمارے ہی ملکی بھائی ہیں جن کو ہر کسکھا کر اور لوٹ و انعام کے وعدے دیکر وہ پیٹ لائے

ہیں کل جو وقت ہمارا پاؤں مضبوط ہو جائیں گے تو ہم بھی ان کی اسی قسم کے وعدہ کر سکیں گے جو انگریزوں نے ان سے کیے ہیں اور ہمارے ساتھ لجانا ان کا یقینی ہو گا۔

جہاں پناہ کے سلسلے یہ عرض کرنا آفتاب کو شمع دکھانا ہے کہ حضور کے اجداد نے اس سے بڑھ بڑھ کر شکتوں اور کامیوں کا مقابلہ کیا ہے۔ شہنشاہ بابر بعض اوقات دشمنوں میں ایسے گھرے ہیں کہ تنہا بھاگنے کے سوا چارہ کار نہیں ہا تھا، شہنشاہ ہمایوں کسی بے کسی اور بے بسی میں ایران بھاگ کر گئے تھے۔ مگر ان کے استقلال نے تمام دشواریوں اور مشکلات کو فتح کر لیا جس کے بعد ان کے خاندان نے اس سرزمین پر سینکڑوں برس حکومت کی۔ آپ بھی اسی بزم عالم افزوں کی شمع حقیقی ہیں اور آپ کے ساتھ تو ملک کے بچے بچہ بھر دیئے ہیں، تمام ہندستان آپ کے جھنڈے کے پیچھے جمع ہو کر مرنے مارنے کو تیار ہے، اگر حضور میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو چند روز میں ہر چیز کو درست کر لوں گا، اور ظل سبحانی کو ہر فکر اور تکلیف سے محفوظ رکھوں گا۔“

بادشاہ بخت خاں کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے، اور فرمایا ہم ہمایوں کے مقبرے جاتے ہیں، تم کل صبح وہاں آؤ اور ہم سے ملو، اُس وقت تمام امور کا فیصلہ ہو جائے گا۔

میرزا الہی بخش کی تقریر

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور میرزا الہی بخش انگریزوں کی طرف اس بات پر مامور کیے گئے تھے کہ کسی طرح بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ نہ جانے دیں۔ منشی رجب علی جو انگریزی کیسپ میں بختری کے دفتر کے سر دفتر تھے اور پٹن صاحب کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے وہ یہاں میرزا الہی بخش کو پیغام بھیج رہے تھے کہ اگر تم نے بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ جانے سے روک لیا تو انگریز تم کو نہال کر دیں گے

اور ساری عمر تم کو اور تمہاری اولاد کو اپنے انعامات سے شاہانہ زندگی بسر کرائیں گے
 راگرنیزوں نے یہ وعدہ پورا کیا۔ بارہ سو روپے ماہوار پنشن ان کی اولاد کو ملتی ہی
 جسوقت بخت خاں بادشاہ سے ملاقات کر کے چلا گیا تو مرزا الہی بخش بادشاہ
 کے سامنے آئے اور عرض کیا کہ لارڈ گورنر بخت خاں بہادر نے جو کچھ حضور عالی
 کے سامنے گزارش کیا ہے فدوی کو اس کے حرف حرف سے اتفاق ہے، مگر مجھ
 ایک ضرور معاملہ گوشہ گزار کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا یہ لڑائی حضور سے ہے یا
 باغی فوج سے، بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی فوج ان سے باغی ہو گئی
 اور سرکشی کر کے آپ کے پاس آگئی، آپ مجبور تھے، آپ کے پاس طاقت نہ تھی
 جو ان کو اپنے پاس نہ آنے دیتے، انگریز اندھے نہیں ہیں، وہ آپ کی مجبوری کو اچھی
 طرح جانتے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ آپ کے نام سے باغیوں نے جس قدر کام کئے
 ہیں اور جیسے جیسے حکم احکام جاری کرائے ہیں ان میں سے ایک میں بھی آپ کا دخل
 نہیں ہے، پھر آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے فکر نہ کرنا چاہیے۔ البتہ اگر آپ باغیوں
 کے ساتھ چلے گئے۔ تب بے شک انگریز آپ سے باز پرس کریں گے اور آپ کو مجرم
 قرار دینے کا ایک بہانہ ان کو مل جائے گا۔ مجھ کو ذرا بھی یقین نہیں ہے کہ باغی کسی
 جگہ جھک مقابلہ کر سکیں گے۔ بخت خاں بہادر نے جو کچھ کہا اس کو تو میں لفظاً
 لفظاً مانتا ہوں، بیشک ہندوستان کی ریاستیں اور ہندو مسلمان مل سے آپ کے
 ساتھ ہیں، لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ باغی فوج آپ کے یا بخت خاں کے تابو میں
 رہے گی، جو فوج ایک ایسے آقا کے قبضہ میں نہ رہ سکی جس کے پاس روپیہ۔ علم
 اور ہنر اور سب سے بڑی دولت عقل بخت خاں سے کہیں زیادہ تھی تو پھر اکیلے بخت
 خاں بیچارے کیونکر ایسی خود سر اور بے ہمار فوج کو مطیع کر سکیں گے۔
 گرمی کا موسم ہے، برسات آگئی ہے، حضور کی ضیعی اور ناتوانی کا زمانہ ہے۔

گھر سے باہر نکل کر مسافرت میں امن بھی ہو تب بھی گھر کا سا آرام میسر آنا محال ہوتا ہے اور لڑائی بھڑائی کی حالت میں تو لازمی طور سے بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آپ چھوٹے چھوٹے شہزادوں، شہزادیوں اور پرودہ نشین بیگمات کو کہاں لئے لئے پھریں گے لہذا میری گزارش تو یہی ہے کہ آپ باغیوں کے ساتھ تشریف لیجائیں، میں انگریزوں سے ملکر تمام معاملات کی صفائی کرادوں گا اور آپ پر آپ کی اولاد پر ایک حرف نہ آنے دوں گا، سلطنت کا انجام جو کچھ ہو آپ کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جائے گی۔“

مرزا الہی بخش کی یہ تقریر سن کر بادشاہ چپ ہو گئے، کچھ جواب نہ دیا، البتہ جب ایک خواجہ سرائے عرض کیا کہ حضور صاحب عالم بہادر تو انگریزوں کے لئے ہوئے ہیں، آپ بخت خان بہادر کی گزارش پر توجہ فرمائیے، ان لوگوں کے کہنے میں نہ آئیے، مرزا اور تکلیف اٹھانا تو بہر زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔“ تو بادشاہ نے فرمایا میں دونوں باتوں پر غور کر کے کل جواب دوں گا۔

دوسرے دن بادشاہ اور ان کی بیگمات قلعہ سے روانہ ہو کر ہمایوں کے مقبرہ میں آئے، بادشاہ نے عورتوں اور بچوں کو تو ہمایوں کے مقبرے میں بھیجا، اور خود درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں جا کر پہلے سلام کیا اور پھر مقبرہ میں واپس آ گئے، مرزا الہی بخش نے تمام کیفیت منشی رجب علی کے ذریعہ سے ہڈ سن صاحب کو بھیج دی تھی، اور لکھ دیا تھا کہ بظاہر میں نے بادشاہ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روک لیا ہے اور کل دوبارہ مقبرہ ہمایوں میں ملنے کا وعدہ ہوا، اس لیے آپ کچھ فوج لیکر مقبرہ کے غری دروازہ کی طرف سے آجائے کیونکہ بخت خاں شرتی دروازہ سے مقبرہ کے اندر آئیگا، اس کی فوج دیا کی ریتی میں پڑی ہوئی ہے جس وقت بخت خاں رخصت ہو کر جائے آپ فوراً اندر اگر بادشاہ کو گرفتار کر لیجئے۔

ہڈن صاحب نے اس خبر کی اطلاع جنرل لون کو دی اور اس کے ساتھ ہی منشی رجب علی کو حکم بھیجا کہ تم مرزا الہی بخش کو اطلاع دیدو کہ وہ جہانگاہ ہو سکے بادشاہ کو بخت خاں کے ساتھ نہ جانے دیں اور رجب بخت خاں چلا جائے تو ہم ۲ گھنٹے تک بادشاہ کو مقبرے میں روکے رکھیں، اس کے بعد سب انتظام ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جبوقت بخت خاں مقبرہ ہمایوں میں بادشاہ کے پاس آیا تو بڑی دیر تک حجت بازی رہی، بادشاہ جانا چاہتے تھے بخت خاں لیجا ناچاہتا تھا، اور مرزا الہی بخش روکتے تھے بخت خاں اور مرزا الہی بخش کی کبھی آپس میں کچھ تیر و ترش گفتگو ہوئی۔ مرزا الہی بخش نے کہا۔ لاؤ گو ریز صاحب اہل آپنے فرمایا تھا کہ میں حضور کو تکلیف و فکر سے محفوظ رکھ دوں گا، تو کیا یہ کام یہ مطلب تو نہیں ہو کہ جہانگاہ کے نام کی آڑ میں آپ خود حکومت کرنا چاہتے ہیں غفلت سہانی کو اس سخت موسم اور اس میڑ پے کی حالت میں آپ کی محض اس وجہ سے لیجاتے ہیں کہ ہندوستان کی بادشاہی آپ کو ملجائے اور صدف کا انتقام غلوں سے لیا جائے جنہوں نے پٹھانوں کی سلطنت تلوار کے زور سے چھینی تھی میں جانتا ہوں کہ اب بھی پٹھان ہیں اور پٹھان سینکڑوں برس تک کینہ کو بھولتے نہیں۔

مرزا صاحب کی یہ بات سنکر بخت خاں اس قدر بگڑا کہ قریب ہتھام رزا صاحب کو ہلاک کر دے مگر بادشاہ نے اُس کو روکا اور فرمایا۔ بہادر! مجھے تیری ہر بات کا یقین ہے اور میں تیری ہر رائے کو دل سے پسند کرتا ہوں مگر جسم کی قوت نے جواب دیدیا ہے، اس لیے میں اب اپنا معاملہ تقدیر کے حوالہ کرتا ہوں مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو اور بسم اللہ کرو۔ یہاں سے جاؤ اور کچھ کام کر کے دکھاؤ میں نہیں، میرے خاندان میں سے نہیں نہ سہی تم یا اور کوئی ہندوستان کی لاج رکھے۔ ہمارا فکر نہ کرو۔ اپنے فرض کو انجام دو۔

بخت خان اس جواب سے یابوس ہو گیا اور ہونٹ چباتا ہوا مقبرہ کے شرقی دروازہ سے دریائی طرف اتر گیا، اور فوج کو ساتھ لیکر ایسی جگہ غائب ہوا جہاں آج تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایسا عاقل آدمی تھا اور اسکی فوج اسکی ایسی اٹا گزار تھی کہ جبے اس نے فوج سمیت بغاوت کی تھی اور دہلی میں آیا تھا اسوقت سے دہلی کی شکست تک کبھی اسکا یا اسکی فوج کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ دہلی نے چند عینے تک جو مقابلہ کیا وہ اسی کی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا ورنہ باغی فوجیں ایسی اتبری کی حالت میں تھیں کہ دو دن بھی مقابلہ نہ کر سکتیں۔

بہادر شاہ سے رخصت ہونے کے بعد بھی اسکی عقل نے اسکا ساتھ دیا اور وہ ایسا روپوش ہوا کہ انگریزوں کے انتقام سے خود بھی بچارہا اور اسکی فوج کا ایک آدمی بھی محفوظ رہا، حالانکہ بغاوت کا وہی سبب بڑا سرغنہ اور پیشوا تھا قسمت نے بخت خان کو ناکام رکھا ورنہ عجب نہیں تھا کہ وہ ہندوستان کا تاجدار بن جاتا۔ اور انگریزوں کو ملک سے خارج کرنے کے بعد تیوریوں کی کمزور سستی کو بھی درمیان سے دوہر کر دیتا اور دوسرا شیر شاہ تاریخوں میں لکھا جاتا۔

مجر ہڈن کو میرزا الہی بخش کے ذریعے سے خبر پہنچی کہ باغی فوج بادشاہ کو ساتھ لیجائے میں کامیاب نہیں ہوئی اور اب بادشاہ کا مقبرہ میں کوئی مزدوش حمایتی باقی نہیں رہا ہے تو انہوں نے جبرل و سن سے اجازت مانگی کہ میں وہاں جا کر بادشاہ کو گرفتار کر لاؤں۔ جبرل نے اجازت دی، مگر اسوقت افسروں میں یہ بحث ہونے لگی کہ بادشاہ کو زندہ لایا جائے یا قتل کر دیا جائے؟ جبرل و سن کہتا تھا اس کو قتل کر دینا چاہیئے، مگر دوسرے افسر اسکے خلاف تھے، آخر جبرل نے بھی مان لیا کہ بادشاہ کو قتل نہ کیا جائے، کیونکہ ابھی صرف دہلی قبضہ میں آئی تھی باقی تمام ہندوستان بغاوت کی آگ سے گرم ہو رہا تھا اس لیے مصلحت یہ تھی کہ بادشاہ کو

زندہ رکھا جائے۔

یہ بحر ہڈن ۵۰ سواریکرمقبرہ ہمایوں کے مغربی دروازہ پر آیا، اور وہیں بابہ کھڑا رہا اور اندر بادشاہ کو اطلاع بھیجی کہ میں آپکو گرفتار کرنے آیا ہوں آپ آئیے تاکہ میں اپنے ہمراہ لے جاؤں۔

ہڈن صاحب بہت سنگدل اور سخت آدمی تھے، ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ میدان جنگ اُن کا نام گھر تھا، جنگی گھیری کے سوا ان کو کسی موسیقی اور نغمہ کا شوق نہ تھا انسان کی کوئی مصیبت ان کے دل پر اثر نہ کرتی تھی کسی کی خونریزی سے ان کو رنج و افسوس نہ ہوتا تھا، اور وہ آدمی کے مار ڈالنے کو سینے کے توڑ ڈالنے سے کچھ زیادہ نہ سمجھتے تھے، بھاگتے اور پسپا ہانگتے تھے آدمیوں کو بے تحاشا قتل کرنا اور اُن کے اسباب کو لوٹنا اُن کی دلی مسرت و شادمانی کے کام تھے عذر عذر کے وقت دہلی شہر میں جو مظالم ان کے ہاتھ سے ہوئے وہ انکی ذاتی خصلت کا نمونہ تھے برٹش خصال کو ان سے تعلق نہ تھا۔

اس سنگٹ لی کے باوجود انہوں نے بڑی مہربانی کی کہ مقبرہ کے بابہ کھڑے رہے اور بادشاہ کے زمانہ میں بے دھڑک نہیں گھسے، مگر اس مہربانی کا باعث ممکن ہے یہ بھی ہو کہ وہ باغی فوج کی موجودگی سے خائف ہوں اور اُن کو اندیشہ ہو کہ اندر بخت خاں کے آدمی پوشیدہ بیٹھ ہو گئے۔

بہر حال جس وقت ہڈن صاحب کا پیغام بادشاہ کو پہنچا انہوں نے میرزا الہی بخش کو گھور کر دیکھا اور کہا "تم نے مجکو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روکا اگر انگریزوں کو مجھ سے کچھ سروکار نہیں تھا جیسا کہ تم نے بیان کیا تھا تو پھر مجکو وہ گرفتار کرنے کیوں آئے ہیں؟" مرزا الہی بخش سمجھکا اے خاموش کھڑے رہے اور بادشاہ نے پھر ارادہ کیا کہ کسی کو بھیج کر بخت خاں کو بلایا جائے مگر انگریزوں کے

ہمدردوں نے زینت محل سلیم کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا، انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ اب بخت خاں کے بکائیکا موقع نہیں رہا۔ معلوم نہیں وہ ملے یا نہ ملے اور ملے تو کیسا خبر ہے کہ یہاں کس قدر کشت و خون ہوا اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ پہلے میجر ہڈسن سے اپنی اور میری اور جواں بخت کی جان کی امان طلب کیجئے، اور جب تک وہ اسکا وعدہ نہ کرے اُس کے پاس نہ جائیے۔

بادشاہ کے زینت محل کے کہنے کے بموجب ہڈسن کو پیغام بھیجا کہ میں اس شرط پر اپنے تئیں حوالہ کر سکتا ہوں کہ میری جان اور میری بیوی بچوں کی جان محفوظ رکھی جائے۔

ہڈسن صاحب نے اس شرط کو قبول کر لیا اور پورے دو گھنٹے اس جیس بھیں میں خرچ کرنے کے بعد بادشاہ مقبرہ سے باہر شریف لگا۔ زینت محل سلیم و شہزادہ جواں بخت پالکیوں میں سوار پیچھے تھے، اور بادشاہ چند خواجہ سراؤں کیساتھ پیدل آگے تھے۔

عبرتنامہ منظر

میجر ہڈسن نے اپنے سواروں کو کھنڈروں اور قبروں کی آڑ میں کھڑا کر دیا تھا اور خود دو تین گوروں کے ساتھ اکیلے سامنے کھڑے تھے، جوں ہی بادشاہ کی نظر ہڈسن پر اور ہڈسن کی نگاہ بادشاہ پر پڑی ایک عجیب عبرت خیز نظارہ پیش آیا۔ وہ بادشاہ جو گورنر جنرل سے بھی بڑی تمکنت کے ساتھ بات کرتا تھا اور جس کو کسی معمولی درجہ کے انٹریز کا بغیر خاص مراسم و ادب و اگر نیکی سامنے بلانا گوارا نہ تھا آج وہ خود ایک معمولی خفیہ پولیس کے افسر کے سامنے آیا اور کہا: کیا تم ہی ہڈسن ہو؟ ہڈسن نے کہا: ہاں میرا نام ہڈسن ہے۔ بادشاہ نے کہا: اگر تم ہڈسن

ہو تو میں اس وقت تمہاری زبان سے بھی اس فقرہ کو سننا چاہتا ہوں، جو تم نے ابھی مقبرہ کے اندر جھکو کہلا بھیجا تھا۔ یعنی تم میری جان اور میری بیوی زینت محل اور لڑکے جو ان بخت کی جان کے ذمہ دار ہو۔

ہڈن صاحب نے باوجود سخت مزاحی کے نرمی سے جواب دیا۔ آپ اطمینان رکھو آپ کی اور زینت محل کی نگیم اور جو ان بخت کی جان کو کچھ خطرہ نہیں ہے۔ اس کے بعد بالکی لائی گئی اور بادشاہ کو اُسیں سوار کیا گیا اور سواروں کے محاصرہ میں بادشاہ اور ان کی بیگم اور لڑکے کو لیکر ہڈن صاحب روانہ ہو گئے۔

لارڈ کرزن کے دربار دہلی کے موقع پر نمائش گاہ میں ہوتی کی ایک قلمی تصویر رکھی گئی تھی جس کو دیکھ کر میں نے ایک مضمون لکھا تھا جو غدر دہلی کے افسانوں کے پہلے حصہ میں چھپا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو یہاں نقل کیا جائے کہ اس کے قلمی اثر اور بیان ہذا کے سادہ اثر کو ناظرین ملاحظہ فرمائیں اور ان کو انقلابات، ایام کا تماشہ اچھی طرح نظر آ سکے۔ وہ مضمون یہ ہے:-

غدر کی تصویر

اللہ اللہ زمانہ کے نشیب و فراز میں کتنے پر حسرت نظارے ہیں۔ یہی دہلی جو اپنی گود میں ہزاروں ارمان بھرے دلوں کا خون بہتا دیکھ چکی ہو، وہ کہے پلٹا کھاتی اور رنگ دکھاتی ہے، ایک دن وہ کٹھا کہ بابر کی تلوار نے ابراہیم لودھی کا خون دہلی کے ریگستان کو پلایا اور اُس کے اہل و عیال کو حسرت و یاس کی مجسم تصویر بنا ہوا سامنے دست بستہ کھڑا ہوا دیکھا یا ایک دن ایسا آیا کہ اُسی کی اولاد اپنے اعمال کی بدولت ان سیکسیوں کا منو نہ بنی۔

آہ! دہلی دربار کی نمائش گاہیں داخل ہوتے ہی ایک تصویر نظر پڑتی جس میں

بزم تیموری کی گل ہونے والی شمع ابو ظفر بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں میجر ہڈسن کے ہاتھوں گرفتار کیے جا رہے ہیں پشت پر ہمایوں کا مقبرہ نظر آتا ہے جس پر کچھ عجیب و گھبرائی ہوئی ہے۔ بہادر شاہ عبا پہنے ہوئے کھڑے ہیں ہاتھ میں عصا ہے چہرہ غم و الم میں ڈوبا ہوا۔ بڑا پلے کا رنگ۔ اور تھکانا یں کا عالم ہے میجر ہڈسن سرخ و روی پہنے بادشاہ کا دامن پکڑے کھڑے ہیں اور ان کے دو ہمراہی بادشاہ کی پشت پر نظر آتے ہیں میجر ہڈسن کی اس بے باکانہ جرات پر بادشاہ کا ایک بوڑھا جان نثار تلوار سے ٹکڑ لپکتا ہے، ہاتھ میں ڈال ہے اور برہنہ ہڈ ہال، قریب پہنچے پہنچے برابر والا سو بھر پستول سامنے کر کے اس کا بڑا ہاتھ حوصلہ پست اور جو ش انتقام سہہ دکر دیتا ہے۔

افسوس ہے کہ دنیا کے اس مصیبت خیز انجام پر بھی لوگوں کو اس کی ہوس باقی ہے نمائش سے چلتے وقت وہیں دیوان حافظ کا خود بخود کھلا ہوا ایک ورق نظر پڑا جس کی پہلی سطر تھی۔

آخر نظر بے بسوئے ماکن اے دولت خاص حسرت عام

یہ پڑھتا ہوا اب آہ اور اس موقع کو مخاطب کر کے اس شعر کو دوہراتا رہا۔

اس تصویر میں ہڈسن صاحب کا عبا کے دامن کو پکڑنا اور ایک جاں نثار کا حملہ کرنا محض مصوری کی خیالی داستان ہے، واقعات سے کچھ تعلق نہیں۔ البتہ نمائش گاہ میں اُسی وقت دیوان حافظ کا نظر آجانا اور اُس میں یہی شعر دکھائی دینا ایک خاص اثر کا واقعہ ہے، بیشک بہادر شاہ اُس وقت انگریزوں کے لیو تو دولت خاص تھے اور ہندوستان کے واسطے حسرت عام۔

ہڈسن کی نیت اس موقع پر یہ لکھنا تاریخی اطلاع دینا ہے کہ جنرل ولسن کی طرح میجر ہڈسن بھی بہادر شاہ کو قتل کر دینا چاہتے

تھے اور انہوں نے دیگر انگریز افسروں کی مجبوری سے بادل ناخواستہ بادشاہ سے چاہی
امان کا وعدہ کر لیا تھا، ورنہ نیت ان کی یہی تھی کہ بادشاہ کو قتل کر دیا جائے
چنانچہ اس دن کی ذاتی ڈائری میں میجر ہڈسن نے لکھا ہے کہ ”میں دہلی میں بادشاہ کو
مردہ لانا بہ نسبت زندہ لانے کے زیادہ پسند کرتا تھا۔“

لکھت کی بات یہ ہے کہ اسی یادداشت میں ہڈسن نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ بہادر
شاہ بغاوت میں عملی حصہ لینے سے بری تھے۔“

قصہ مختصر ہڈسن بادشاہ، اُن کی بیگم اور جواں بخت کو لیکر آہستہ آہستہ شہر
کے لاہوری دروازہ کی طرف لے گئے، اور چاندنی چوک کے بازار میں ہو کر لال
قلعہ کے اندر لائے اور وہاں زینت محل کے مکان میں اُن کو مقید کر دیا۔

لاہوری دروازہ سے لانے اور تمام چاندنی چوک کو عبور کرانے کی وجہ یہ تھی کہ کل
شہر کو بادشاہ کے گرفتار ہو جانے کی اطلاع ہو جائے۔

قلعہ میں پہنچ کر بادشاہ نے خواہش کی کہ جنرل لسن کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں اُس
سے ملنا چاہتا ہوں۔ جنرل لسن نے یہ پیغام سن کر جواب دیا ”مجھ کو اب اُن سے
ملنے کی ضرورت نہیں ہے اور میں اُن سے ملنا نہیں چاہتا۔“ اس انکار کے بعد
جنرل لسن نے اپنے ایڈی کیمنٹ لفٹنٹ ٹرنیل کو بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے
گورے سپاہیوں کا پہرہ بادشاہ کے مکان پر لگا دیا۔

چشمِ تصوّر

اگرچہ بہادر شاہ اور اُن کے باپ اکبر شاہ اور اُن کے باپ شاہ عالم ایک اعتبار سے
برٹش گورنمنٹ کے قیدی تھے اور اُن کو قید کی عادت پڑ گئی تھی۔ پھر بھی آج کی رات
جبکہ وہ اپنے ہی قلعہ میں قید کیے گئے تھے۔ ان کے دل کی کیا حالت ہو گی، اور ان کی

پیاری بیوی زینت محل اور نو عمر شہزادہ جواں بخت کا کیا عالم ہوگا۔

تصور کی آنکھ کے سوا کوئی اور ذریعہ قیدیوں کے قلبی احساس اور پہلی رات کی ٹینگنی کا منظر اصلی طور سے نہیں دکھا سکتا، ان کو باوجود ہڈسن کے اقرار کے اپنی زندگی کے محض مظاہر کا یقین نہ ہوگا، وہ اپنی راحت و عیش اور حکومت کے رہنے سے ہمہ نام و نشان کو آج کی رات ختم شرہ خیال کر کے دل ہی دل میں آخری چراغ کی طرح مایوسی کی ہوا سے جھلکا رہے ہوں گے اور غم کی شدت سے کلیجہ اٹکے شر کو آواز دے گا کوئی چیز ان کے سینہ کی طرف سے اٹھتی ہوگی اور اس کا دہواں دماغ کی طرف پڑے گا کہ انکو جان کنی کا مزہ چکھنا تھا ہوگا۔

ان کو اپنے بانی مانندہ بچوں اور رعایا کا خیال بھی چین کر رہا ہوگا جن کی امداد و بہرہ روی کا اس عالم اسیری میں اب کوئی سامان اُنکے پاس باقی نہ رہا تھا، تصور کی آنکھ جب یہ دیکھتی ہے تو اس کا بُرا حال ہو جاتا ہے۔

بادشاہ کے بیٹوں کا قتل

منشی و کتار اللہ صاحب کا بیان ہے کہ بادشاہ کی گرفتاری کے دو سہ دن منشی حبیب علی اور میرزا ابلی بخش نے خمدی کہ میرزا منگل اور میرزا حفصہ سلطان اور میرزا ابو بکر بادشاہ کے بیٹے اور ایک پوتے بھی مقبرہ ہمایوں میں موجود ہیں اور یہ وہی ہیں جنہوں نے قلعہ میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ بھر ہڈسن کا خون اس خبر سے جوش میں آگیا اور وہ جنرل وٹسن سے اجازت لیکر شہزادوں کے قتل کے لئے روانہ ہوا۔ میکڈانلڈ صاحب بھی ہڈسن کے ہمراہ تھے آج ہڈسن نے ۵۰ سواروں کی جگہ ایک سو سوار ہمراہ لئے تھے، اور منشی حبیب علی اور میرزا ابلی بخش دونوں جاسوس بھی ساتھ تھے۔

تینوں شہزادے میرزا غفل اور میرزا خضر سلطان اور میرزا ابوبکر مقبرے کے اندر تھے، پڑسن باہر کھڑا ہو گیا اور شہزادوں کو اطلاع بھیجی کہ میں آپ کو گرفتار کرنے آیا ہوں، مگر چونکہ شہزادوں کے ساتھ بہت سے جنگجو آدمی بھی تھے اس لڑو و جمعیت بھی زیادہ لایا تھا، اور اندر جانے کی جرات بھی نہ کر سکتا تھا۔

شہزادوں نے اپنے باپ کی طرح دو گھنٹے تک یہی جھگڑا کی کہ اگر ہماری جانوں کی ذمہ داری کی جائے تو ہم اپنے تئیں حوالہ کر سکتے ہیں، ورنہ ہمیں میسر ہو سکتا ہے جواب دیا کہ میں آپ کی جانوں کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میں جنرل ولسن کے ماتحت ہوں اور مجھے ان معاملات کے اختیارات نہیں ہیں۔ بہادر شاہ سے تو میں نے اس وجہ سے اقرار کر لیا تھا کہ جنرل ولسن نے مجھ کو اس اقرار کی اجازت دیدی تھی، شہزادوں کو بلا کسی شرط کے میرے پاس آجانا چاہیے اسکے بعد دیکھا جائیگا جنرل ولسن کے ہاتھ سب کچھ بنتا رہے۔

شہزادوں نے یہ جواب سُنکر اپنے رفیقوں سے صلاح لی اور ان سب نے کہا کہ دو تھموری خاندان کے لوگ اس طرح مجبور ہو کر قید نہیں ہو کر تے۔ تلوار اٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں، پھر یا قتل یا نصیب کا معاملہ ہوتا ہے، دارا شکوہ کو جب اورنگ زیب نے قتل کرنا چاہا اور قاتل قسید خانہ میں آئے تو دارا ترکاری چھیلنے کی چھری لیکر کھڑا ہو گیا اور کچھ دیر اپنے قاتلوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ہم کو بھی دیرانہ کام کرنا چاہیے، پڑسن اور اس کے سوسواروں کو ہم بھڑکائی دیر میں شکست دے سکتے ہیں، اول مرنا آخر مرنا۔ مرنا تو ہر حال میں ہے۔ پھر بہادری کی موت کیوں نہ مرے۔

شہزادوں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا، مگر میرزا ابوبکر نے پھر نصیحت کا دفتر کھول دیا اور ایسے اتار چڑھاؤ شہزادوں کو دیے کہ وہ بچارے لڑنے کے خیال سے

دست بردار ہو گئے اور میرزا الہی بخش کے ہمدردانہ مشورہ کے موافق تن بہ تقدیر بلا کسی مشرط کے ہڈن کے پاس چلا جانا قبول کر لیا اور اپنے رفیقوں کو مقبرہ کے اندر رخصت کر کے ہڈن کے پاس چلے آئے۔

جس وقت شہزادے ہڈن کے سامنے آئے اُس نے ان کو خونخوار نظروں سے دیکھا مگر خاموش کھڑا رہا۔ اور رکتوں میں سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ شہزادے سو اُہو گئے تو ہڈن ان کو محاصرہ میں لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب ہلی ایک میل رہ گئی تو رکتوں کو کھٹھرایا۔ اور شہزادوں کو حکم دیا کہ رکتوں سے باہر آجائیں اور اپنے کپڑے اتار ڈالیں، شہزادوں نے یہ حکم سنکر آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا اُن کو یہ اُمید ہرگز نہ تھی کہ ان کو اسی جگہ قتل کیا جائے گا، کیونکہ میرزا الہی بخش نے ان سے کہا تھا کہ جبرل لون کے اختیار میں فیصلہ ہے اور جبرل سے جس وقت سفارش کی جائے گی تو وہ بادشاہ کی طرح تم کو بھی جان کی امان دیدے گا۔ ہڈن صاحب کو نہ امان دینے کا اختیار ہے نہ قتل کرنے کا۔ مگر جس وقت کہ ہڈن نے ان کو رکتوں سے باہر آنے اور کپڑے اتارنے کا حکم دیا تو وہ اس کی وجہ کو بالکل نہیں سمجھے اور ایک دوسرے کو حیرت اور تعجب سے دیکھنے لگے۔

آخر وہ رکتوں سے اترے اور اُنہوں نے اوپر کے لباس شہزادگی کو جسم سے جدا کر دیا۔ اور ہڈن کو دیکھنے لگے کہ اب کیا کہنا چاہتا ہے اُن کو خیال تھا کہ شاید یہاں سے وہ ہم کو مقید کر کے پیدل لیجانا چاہتا ہے یہ بات تو اُن کے خواب خیال میں بھی نہ تھی کہ ہم اسی جگہ قتل کئے جائیں گے۔

ہڈن نے جبلن کو لباس شہزادگی اتارے ہوئے کھڑا دیکھا تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور اُس نے ایک سوار سے بھری ہوئی قراہین مانگی اور اُس کو ہاتھ میں لیکر تڑپتین فریے۔ گولیاں شہزادوں کے سینے میں لگیں اور وہ ہائے دہوکہ

کہ ہر زمین پر گر پڑے، اور خاک میں لوٹنے لگے اور کچھ دیر کے بعد مر گئے۔
 ہڈن ان کے تڑپنے اور خاک و خون میں لوٹنے کو خوشی کے پہرے سے کھڑا
 ہوا دیکھتا رہا، اور جب وہ مر گئے تو ان کی لاشوں کو لیکر کو توالی پر آیا اور لاشوں کو
 ایک رات دن سر بازار لٹکا دے رکھا۔

ہڈن نے شہزاد و نکاحون پیا جوان بیٹوں کے کٹے ہوئے سر بڑھاپ کی نذر کیے گئے

ایک روایت تو شہزادوں کے قتل کی یہ تھی جس کو نشی ذکار اللہ نے اپنی تاریخ
 میں لکھا ہے اور دوسری روایت اور ہے جو دہلی میں عام طور سے مشہور تھی، اور
 میرزا الہی بخش کے ایک صاحب خاص نے جو موقع پر خود موجود تھا میرے والد
 سے اس کو بیان کیا تھا اور والد نے اس قصہ کو میرے سامنے کہا اور
 صرف ایک ہی روایت نہیں، میں نے صد ہا آدمیوں کی زبانی ایک ہی شان سے
 یہ واقعہ سنا ہے، اور کسی بیان میں اختلاف نہیں پایا جاتا، اس واسطے
 اس روایت کو بھی درج کرتا ہوں۔

نشی ذکار اللہ صاحب نے بھی اس روایت کو اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۵ پر لکھا
 ہے مگر ایک لفظ یہ بڑا دیا ہے کہ واقعہ غلط ہے۔ یعنی وہ اس کو تو تسلیم
 کرتے ہیں کہ شہزادوں کے قتل کا واقعہ دہلی میں اس طرح پیش ہو گیا تھا، مگر وہ
 اس کو صحیح نہیں مانتے۔

وہ روایت جو شہزادوں کے قتل کی نسبت دہلی میں مشہور ہے اور جس کو نشی
 ذکار اللہ نے غلط ٹھہرایا ہے اور جس کی روایت میرزا الہی بخش کے ایک صاحب



نے میرے والد سے بیان کی یہ ہے کہ میرزا نعل اور میرزا خضر سلطان اور میرزا ابو بکر بھی بہادر شاہ کے ساتھ گرفتار ہوئے تھے، اور جب قیدی موجود جیلخانہ کے قریب پہنچے تو ہڈسن صاحب نے بادشاہ اور زینت محل اور جواں نخت کی پالکیوں کو ایک طرف ٹھہرا دیا، اور میرزا نعل، اور میرزا خضر سلطان میرزا ابو بکر اور میرزا عبداللہ چار شہزادوں کو رکھوں سے اتارا اور اپنے ہاتھ آنکھو قتل کر کے ایک چلو خون کا پیا، اور کہا کہ اگر میں ان کا خون نہ پیتا تو میرزا و بلخ خراب ہو جاتا۔ کیونکہ ان لوگوں نے میری قوم کی بیس عورتوں کو اور بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا، اور انکے دیکھنے سے میرا خون جوش کھاتا تھا۔

شہزادوں کے قتل کے بعد ان کے سر کاٹے گئے اور سروں کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا اور ہڈسن نے کہا۔ یہ آپ کی نذر ہے جو بسند ہو گئی تھی اور جس کو جاری کرانے کے لئے آپ نے عذر میں شرکت کی تھی۔ بہادر شاہ نے جواں بیٹوں اور جواں پوتے کے کٹے ہوئے سر دیکھے تو حیرت انگیز استهلال سے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور کہا۔ اچھا لہو یتور کی اولاد ایسی ہی سُر خرو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی تھی۔ اس کے بعد شہزادوں کی لاشیں کو توالی کے سامنے لٹکائی گئیں، اور سر جیلخانہ کے سامنے خونی دروازہ پر لٹکا دیے گئے جن کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا۔

یہ وہی دروازہ ہے جس پر دارا کا سر بھی لٹکایا گیا تھا اور عبدالرحیم خاں خانان کے لڑکوں کے سر بھی لٹکائے گئے تھے۔ اور اسی دروازے پر اب تک اس کو دہلی والے خونی دروازہ کہتے ہیں۔ اس دروازہ کی دیوار خارا کے پتھروں کی ہے اور خارا میں لوہے کا اثر ہوتا ہے جو برسات میں اپنا سُرخ رنگ بہا یا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی دیوار پر اب تک سُرخ دھبے پڑے نظر آتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر عوام کہتے ہیں کہ یہ شہزادوں کے خون کا نشان ہے جس کو خدا نے قیامت تک کے لئے

محفوظ رکھا ہے۔

لارڈ رابرٹس جو بعد میں ہندوستان کے کمانڈر انچیف ہوئے اور جنگ یورپ کے زمانہ میں انتقال ہوا اور جو غدر شہدے میں خود موجود تھے میجر ہڈسن کے اس فعل کی نسبت لکھتے ہیں:-

”ہڈسن نے یہ کام کر کے اپنی نیک نامی میں بڑا لگا دیا۔ اُس نے شہزادوں کو بے ضرورت مار ڈالا“

اس روایت کی نسبت کہ ہڈسن نے شہزادوں کا خون پیاسوائے زبانی حکایتوں کے اور کوئی تاریخی سند میری نظر سے نہیں گزری، لیکن یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ جب بہادر شاہ گرفتار ہوئے تو میرزا مغل وغیرہ بھی اُسی وقت گرفتار کیئے گئے ہوں گے، کیونکہ وہ سب ایک ہی جگہ تھے، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہڈسن صاحب نے بادشاہ کو تو گرفتار کیا اور ان لوگوں کو چھوڑ دیا جو انگریزوں کے قتل کے اصلی مجرم تھے اور جنہوں نے باغی فوج کی سرداری کی تھی اور جسکی نسبت یہ قوی اندیشہ تھا کہ اگر باغی فوج کے ساتھ چلے جائیں تو مدتوں انگریزی فوج کو پریشان کریں گے اس لئے یقیناً ان کو بھی بہادر شاہ کیساتھ ہی گرفتار کیا گیا ہوگا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کی گرفتاری سے کچھ دیر بعد وہ گرفتار ہوئے ہوں اور انہوں نے جان بخشی کا وعدہ نہ کرنے کے سبب مقابلہ کا ارادہ کیا ہو۔ بہر حال اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مقتول شہزادوں میں سے بعض انگریزوں اور عورتوں اور بچوں کے قتل کرانے یا اُس قتل سے رضا مند ہونے کے مجرم ضرور تھے جو ایام غدر میں قلعہ کے اندر مارے گئے تھے۔

چارہینے اور چاردن کی بادشاہی

وہ جو کہتے ہیں چاردن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات، یہ مثل بہادر شاہ پر بالکل صادق آئی۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی انگریزوں کے قبضہ سے نکلی اور بہادر شاہ کے قبضہ میں آئی اور چارہینے اور چاردن کے بعد ۱۸ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پھر بہادر شاہ سے چھٹکارا انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی۔

یہ چاردن چارہینے کی بادشاہت فقط نام کی بادشاہت تھی ورنہ فوجی سپاہی اس قدر بے ادب اور ستاخ تھے کہ بچا بچا کر کہتے تھے کہ جس کے سر پر ہم جوتی رکھ دیں وہی بادشاہ ہے، یوں دیکھنے اور کہنے کو بادشاہ کے نام کا ڈبندہ ورہ مٹا جاتا تھا، مگر بادشاہ کا حکم پوری اطاعت کوئی نہ ماننا تھا اور تمام شہر میں ایک عام افراط فری اور بے امنی چھانی ہوئی تھی۔

بخت خان اور میرزا مغل کا اقتدار بیشک تسلیم کیا جاتا تھا، اور میرزا خضر سلطان وغیرہ ہندوؤں کے اختیارات بھی قایم نظر آتے تھے لیکن ضبطِ نظم اور ضبطِ کلمہ کی اصلی پابندیاں نام کو بھی بکتیں، بہر حال جیسا کہ کچھ بھی تھا پھر بھی بادشاہی کا نام ہو گیا تھا۔ جو چارہینے چاردن کے بعد بالکل نابود ہو گیا، اور اب تو جبکہ ۱۹۲۲ء کا دور دورہ ہے بادشاہ کی اولاد دہلی میں بھیک مانگتی پھرتی ہے۔

ہیمالاور زخمی قتل کر دیے جانے تھے

منشی ذکار اللہ صاحب اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۴۹ پر لکھتے ہیں کہ حسب جامع مسجد پر قبضہ ہو گیا تو خبر آئی کہ باغیوں کا ایمپ بالکل خالی پڑا ہے لہذا

ہنسن سوار میکر دوڑے ہوئے گئے اور کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ باغی ایسی گھبرہٹ میں گئے تھے کہ ان کی گلی دھوئیاں الگنیوں پھیلی ہوئی تھیں اور ان کو اتارنے کی فرست بھی نہ ملی تھی۔

کیمپ میں جب قدر زخمی اور بیمار پائے گئے ان کو قتل کر دیا گیا اور یہاں سے کپڑے اور گونی بارود بکثرت دستیاب ہوا۔

پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں: ”بریڈ صاحب کی درخواست پر جنرل ولسن نے میگزین کی طرف سے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک کام بھیجا۔ ہوم صاحب نے بارود سے قلعہ کا دروازہ اڑایا اور فوج نعرے لگاتی ہوئی اندر داخل ہوئی قلعہ کے کچھ حصے میں باغیوں کا ہسپتال تھا اور وہاں وہ زخمی پڑے ہوئے تھے جو اپنی پلٹوں کے ساتھ جا نہیں سکتے تھے انگریزی سپاہ نے اپنی گولیوں سے ان کے زخموں کا علاج کر دیا۔“

اور کئی کئی واقعات بیماروں اور زخمیوں کے قتل و ہلاکت کے احوال غبار میں مذکور پائے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ باغیوں کی حرکات کیسی ہی ناشائستہ و نظام نہ ہوں، پھر بھی انگریزوں کی متمدن اور مہذب قوم کو اس قسم کی وحشیانہ سفارتی سے احتیاط کرنی چاہیے تھی۔

بیماروں اور زخمیوں کا قتل کرنا ایسا ہی خوفناک جرم ہے جیسا عورتوں اور بچوں کا ہلاک کرنا، کوئی شخص بھی باغیوں کو ملامت کرنے سے خاموش نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو مارا تھا، مگر انگریزی فوج بھی زخمیوں اور بیماروں کو ہلاک کرنے کے ملامت سے محفوظ نہیں رہ سکتی ہے۔ جنرل ولسن کا یہ غدارانہ کم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ فوج قابو سے باہر تھی اور اس کے انگریز افسروں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی مظلومیت یاد آتی تھی، کیونکہ وہ جنرل بہت ناقابل ہوتا جو اپنے ماتحتوں پر

اقدار نہ رکھتا ہوا جس کو اتنا اختیار بھی نہ ہو کہ وہ خلاف تہذیب خلاف انسانیت
منظلم شدید سے ماتحتوں کو روک سکے، یقیناً جنرل لوٹن اور سب انگریز جوش
انتقام میں بھول گئے تھے کہ بیماروں و زخمیوں کا قتل کرنا بہت بڑی وحشانہ و ظالمانہ
خطا ہے ورنہ وہ ایسا نہ کرتے۔

دہلی والوں کے نزدیک انگریزوں کے گولے شہرت کی آستیناری تھی

دہلی شہر کے باشندوں کی خصلت تمام ملک میں نرالی ہے کہ وہ غم اور مصیبت کے
وقت بھی تفریح اور خوش باشی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ انگریزوں نے جب
شہر پر گولہ باری شروع کی تو بجائے اس کے کہ باشندے خائف ہوتے یا گھبراہٹ
بھاگتے شب برات کی آستیناری کی طرح توپوں کے گولے ان کے لہذاق و تفریح
کا ایک تماشہ ہو گئے۔ مکانوں کی چھتوں پر لوگ چڑھ جاتے اور لوگوں کی سر دیکھتے
اور جب گولے شہر کی طرف آتے تو بے تحاشا غل مچاتے، وہ آیا۔ وہ آیا۔ دیکھو
اُدھر چلا آیا وہ گرا۔ وہ پھٹا۔ جس جگہ گولہ گرتا، وہاں سینکڑوں آدمیوں کی
بھیر لگ جاتی تھی، گولے کچھ اس قسم کے تھے کہ ان سے کچھ زیادہ نقصان نہ ہوتا تھا
شہر کی سڑکیں چوڑی تھیں، مکانوں کے صحن بھی فراخ تھے، باغات کی کثرت تھی
اس واسطے تو لوں سے زیادہ نقصان نہ پہنچتا تھا، ہزاروں گولے آئے مگر نقصان
دن میں گھروں اور سو پچاس عوتوں، بچوں اور اہل رسیدہ مردوں کے سوا کسی کا
نہ ہوا تعجب یہ ہے کہ چار آدمی مرتے تھے تو چار سو تماشہ دیکھنے کو وہاں کھڑے ہو جاتے
تھے۔ میں نے اپنے والد سے سنا کہ جب پہاڑی پر سے گولہ باری ہوتی تھی ہم بچا ہوں

کے مقبرہ کی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھا کرتے تھے۔ ہنسنے دیکھا کہ رات کے وقت گولہ توپ کے سہ پہلے

ایک گول انگارہ

معلوم ہوتا تھا، وہ گول انگارہ شاہیں شاہیں کرتا ہوا دور نکل جاتا۔ اس کے بعد توپ کی آواز آتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ گولہ پہلے نکل جاتا ہے اور آواز بعد میں ہوتی ہے۔

مقبرہ جمالیوں پہاڑی سے ۴ میل کے فاصلہ پر ہے، رات کے اندھیرے میں گولہ چمک گئے سب پہلے دکھائی دیتا ہوگا اور آواز بعد میں آتی ہوگی، کیونکہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے تیز ہوتی ہے۔

دہلی والوں کی بے فکری اور خوش باشی اسی ایک واقعہ پر ختم نہ تھی بلکہ جب روزانہ پھانسیاں ہو رہی تھیں اور راندھاؤ بند قتل عام شہر میں جاری تھا تب بھی دہلی والوں کی خوش باشی کی عادت میں کمی نہیں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے امرا کا یہ حال تھا کہ شام کو گرفتار ہوئے۔ حوالات میں بند کیے گئے۔ صبح پھانسی پانیکا یقین ہے مگر رات کاٹنے کے لیے شطرنج۔ گنچہ۔ چومر ہو رہی ہے۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دہلی کی خصلت کیسی عجیب ہو۔ یا تو یہ وجہ تھی کہ صدمے اٹھاتے اٹھاتے آنکھ دل سخت ہو گئے تھے اور یا خدا نے دہلی والوں کو دل ہی ایسا دیا ہے، جو کسی وقت بھی تفریح اور خوش باشی سے خالی نہیں رہتا۔

جانکنی کا ماجرہ

کلیجہ شوق ہو جائے کا بیان ہے۔ ۴۰ ستمبر کی تاریخ نے انگریزوں کو شہر کے اندر جگہ دی اور شہر والوں کو باہر نکلی جانے کا حکم دیا۔ انگریز پہلے کشمیری وکابلی و

موری دروازے کے رخ سے داخل ہوئے تھے، اس لیٹو وہاں کی آبادی سنگھڑا
نراش خانہ۔ ترکمان دروازہ اور اجیسری دروازہ کی طرف آگئی۔ مگر جب یہ علاقے
بھی مفتوح ہو گئے تو باشندے دروازوں سے نکل کر جنگلوں اور دیہات میں بھاگنے
لگے۔ وہاں گوجروں اور میوٹوں نے ان کو لوٹنا شروع کیا۔

باوجود اس عام بھاگنے کے پھر بھی شہر میں ہزاروں گھر آباد تھے۔ ہندوؤں کا
مشہور محلہ نیل کا کٹرہ تو بالکل آباد تھا۔ یہاں ایک آدمی بھی باہر نہیں گیا کیونکہ لالہ
ہیسری پرشاؤ کسریٹ کے گماشتے اس محلہ میں رہتے تھے، اور انہوں نے اپنی
خیر خواہی اور خدمات سرکاری کے عوض اپنے محلہ کی حفاظت کا عہد اوقیل لیا تھا
لی ماروں کے محلہ میں حکیم محمد خان جیسا مکان محفوظ تھا۔ کیونکہ پٹیلہ کے مہاراجہ
نے اپنے تعلقات کے سبب ان کی حفاظت کا اقرار انگریزوں سے کر لیا تھا
اور پٹیلہ کے فوجی سپاہی حکیم صاحب کے مکان پر بطور پیرہ دار ہر وقت موجود رہتے تھے۔
پٹیلہ کے وزیر دیوان ہنال چند کا مکان بھی پٹیلہ کے تعلقات کے سبب
محفوظ تھا بعض اور ہندو مسلمانوں کے مکان بھی سرکاری خیر خواہی کے صلہ میں
محفوظ تھے، مثلاً شیخ تراب علی کا مکان میر عاشق کے کوچہ میں اور راکسدا سکھ
لال کا مکان ترکمان دروازہ میں۔ ان لوگوں کو شہر میں رہنے کے سارٹیفکیٹ
مل گئے تھے، مگر یہ سارٹیفکیٹ ان کو شہر میں رہنے کی اجازت دیتے تھے،
لوٹ مار کا خوف ان سے دور نہ ہوتا تھا کیونکہ جاہل سپاہی جو لوٹ کے
شوقین تھے۔ سرکاری اسناد کی بہت کم پروا کرتے تھے۔

میرزا غالب اور میر بدر الدین مہر کن بھی گرفتار ہو کر نل برن حاکم شہر کے سامنے
نیش ہوئے تھے مگر جب انہوں نے سرکاری اسناد دکھائیں اور غدر سے اپنی
بے تعلقی ظاہر کی تو ان کو شہر میں آباد رہنے کی اجازت مل گئی۔ اسی طرح راجندر

صاحبِ پروفیسر دہلی کا بچہ کبھی امان دیدی گئی۔ دردناک منظر

کرنل برن شہر کے فوجی گورنر بنائے گئے تھے انہوں نے چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی کوٹھی میں اقامت اختیار کی تھی، اور ایک دستہ فوج کا اس کام کے لیے مقرر کیا تھا کہ وہ جہاں آبادی پائے باشندوں کو گھروں کے ہباب سمیت گرفتار کر کے لے آئے، اس دستہ فوج نے اس حکم سے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا سپاہی بہت بیرحمی سے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے، مردوں کے سر پر گھر کا اسباب لاداجاتا تھا۔ عورتوں کو جبراً ساتھ لیا جاتا تھا۔ آگے آگے مرد اسباب کے گٹھر سر پر رکھے ہوتے۔ پیچھے پیچھے ان کی عورتیں زار و قطار روتی ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے بے ہوئے بچوں کو گود میں لیے ہوئے۔ کسی عورت کی گود میں بھی بچہ ہوتا تھا، اور پیدل بھی کئی کئی بچے انگلی یا چادر کا آچھل پکڑے ساتھ ہوتے تھے، وہ شریف زادیاں پیدل چلنے کی عادی نہ تھیں، خصوصاً اس حال میں کہ بچوں کا ساتھ۔ بے پردگی کی حالت۔ بچاریاں ٹھوکریں کھا کھا کر گرتی تھیں۔ بچے گود سے گرے جاتے تھے اور سپاہی ناقابلِ بیان سختی سے ان کو آگے چلنے کے لیے دھکے دیتے تھے، اور ان کو ان مصیبت زدہ لوگوں پر ذرا رحم نہ آتا تھا۔

جب یہ لوگ کرنل برن کے سامنے پیش ہوتے تو حکم دیا جاتا کہ اسباب میں جبقدر قیمتی چیزیں ہیں ان کو تلاش کر کے ضبط کر لو۔ بیکار چیریں واپس دیدجو۔ اس حکم کی تعمیل ہو جکتی تو دوسرا حکم یہ دیا جاتا کہ ان کو فوجی حراست میں لاہوری دروازہ تک لیجاؤ اور شہر سے باہر نکال دو چنانچہ ایسا ہی ہوتا اور وہ لوگ لاہوری دروازہ کے باہر دھکے دیکر نکال دیے جاتے رہتے تمام حالات ناشی

ذکاۃ اللہ کی تاریخ میں ہیں !

خیال کرنے کی جگہ ہے کہ وہ غریب بال بچوں کو لیکر ایسی حالت میں کہ انکے پاس ایک پیسہ بھی کھانے کے لئے نہ ہو کہاں جاتے ہوں گے اور انکے بچوں پر کیا گزرتی ہوگی ؟ اس تکلیف کا اندازہ سہ طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص خود یہ تصور کرے کہ مجھ پر اور میرے اہل و عیال پر یہ حالات گزر رہے ہیں۔

غرض دہلی شہر کے باہر ہزاروں مرد اور عورتیں اور بچے بیکسی کے عالم میں ننگے پاؤں ننگے سر بھوکے پیاسے پھر رہے تھے اور کوئی انکا پرسان حال نہ تھا۔ نہ بیٹھنے کو جگہ تھی نہ دھوپے بچنے کو سایہ تھا، پینے کو پانی کا گھونٹ میسر تھا بعض نیک لوگوں نے چنے اُبال کر ان لوگوں کو تقسیم کرنے شروع کیے۔ پھر بھی اتنے زیادہ آدمیوں کا پیٹ بھر نہ سکا تھا، سینکڑوں بچے بھوک بھوک کہتے ہوئے ماؤں کی گودوں میں مر گئے، سینکڑوں مائیں چھوٹے بچوں کو اکیلا چھوڑ کر اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے کنوؤں میں ڈوب مریں۔

ہزاروں عورتیں ڈوب کر مر گئیں

ہزاروں عورتیں ایسی تھیں کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور پردہ کے سبب اُنہوں نے گھر میں مرجانا قبول کیا اور جس وقت اُنھوں نے سنا کہ فوج آتی ہے تو کنوؤں میں گرنے لگیں۔ اور اس کثرت سے گریں کہ ڈوبنے کو پانی نہ رہا۔ یعنی کنوئیں لٹکی لاشوں سے بھر گئے، اور جب دوسری عورتیں اُن پر گریں تو چونکہ ڈوبنے کو پانی نہ تھا وہ لاشوں پر پڑی رہیں۔

ایک فوجی افسر کا بیان ہے کہ بننے اس قسم کی سیکڑوں عورتوں کو کنوؤں کے زندہ نکالا جو کنوئیں میں لاشوں کے سبب جگمگہونے سے ڈوبی نہ تھیں اور زندہ پڑی تھیں۔

بابیٹھی تھیں۔

جس وقت ہم نے اُن کو نکالنا چاہا تو وہ چیخنے لگیں کہ برائے خدا ہم کو ہاتھ نہ لگاؤ اور گولی سے مار ڈالو، ہم شریف بہو بیٹیاں ہیں، ہماری آبر و خراب نہ کرو۔ اور جب ہم اُن کو باہر نکالتے تھے تو وہ ڈر کے مارے ہتھ کھڑکا پینے لگتی تھیں، اور بعض اُن میں بیہوش ہو کر گر پڑتی تھیں۔“

ایک کنویں سے کسی عورت کی لاش نکلی جس نے اپنے دو بچوں کو چھاتی سے باندھ لیا تھا، ایک بچہ چھ مہینے کا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے دو سال کے قریب تھا مرنے کے وقت وہ ان دونوں کو اپنے ہاتھوں سے دبا کر کلیجہ سے لگاے رہی ہوگی کیونکہ اُس کے دونوں ہاتھ بچوں کے اوپر چھپے ہوئے تھے۔

فراسخانہ کے کسی کنویں میں دو عورتیں زندہ لٹکالی گئیں، ایک جوان تھی، گرائڈی تھی، دوسری بڑھیا تھی، بڑھیا کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کو گھر میں گھس کر قتل کر دیا گیا، اور جب وہ قتل کیا جا رہا تھا چند سپاہیوں نے اُس کی اندھی بہن کی عصمت پر حملہ کرنا چاہا، مگر وہ اپنے گھر کے کنویں سے واقف تھی دوڑ کر اُس میں گر پڑی اور اُس کے ساتھ ہی میں بھی کنویں میں کود دی۔ ہم دونوں پانی میں غوطے کھا رہے تھے کہ کسی نے اندر آ کر ہم کو باہر نکالا۔

ایک مسلمان گرفتار ہو کر آیا اور اُس نے بیان کیا کہ جب میں نے حالت نازک دیکھی تو اپنے ہاتھ سے اپنی بیوی اور بہو اور جوان بیٹی کو قتل کر دیا۔ کیونکہ مجھے اُن کے بے آبرو ہونے کا اندیشہ تھا، اس کے بعد بسند وق لی کر لڑنے نکلا اور گرفتار ہوا حاکم نے اُس کا بیان سن کر حکم دیا کہ اس کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے چنانچہ اُس کو پھانسی دیدی گئی۔

مسلمان چُن چُنکر مارے جاتے تھے

غدر کی ابتدا خواہ کسی فرقہ کی طرف سے ہوئی ہو، مگر مسلمان بادشاہ کی سرپرستی اور مسلمان قوم کی عملی سرگرمی کے سبب زیادہ قصور وار مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے اور دہلی لینے کے بعد سب سے زیادہ مسلمان ہی چُن چُنکر قتل کیے جا رہے تھے وہ دوسری مار کا شکار تھے، ایک طرف تو انگریز ان سے ناراض تھے اور دوسری طرف سکھ سپاہی اپنا پُرانا غصہ ان پر اتارنا چاہتے تھے، کیونکہ ان کے گرو تیغ بہا در صاحب کو کسی مسلمان بادشاہ نے دہلی میں قتل کیا تھا اور سکھوں کو اس تاریخی قتل کا انتقام مسلمانوں سے لینا تھا۔ اس واسطے سکھ سپاہی جہاں کہیں کسی جوان اور خوبصورت مسلمان کو دیکھتے مار ڈالتے تھے، منشی ذکا، اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ہاتھ سے تمام شہر کے خوبصورت اور جوان مسلمانوں کا خاتمہ ہو گیا، وہ بوڑھے باپ کے سامنے اُس کے جوان بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور باپ کو رنج اٹھانے کیلئے زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

جب پہلے پہل انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اسوقت تو جو سامنے آتا تھا گولی سے مارا جاتا تھا، ہندو مسلمان کی تخصیص نہ تھی، مگر بعد میں صرف مسلمان ہی چُن چُنکر مارے جاتے تھے، (تاریخ ہند صفحہ ۷۰۵)

کوچہ چیلان کی مصیبت

دہلی کے تمام محلوں سے زیادہ چیلوں کے کوچہ پر مصیبت آئی تھی، اس محلہ میں بڑے بڑے شرفا اور نامور علماء رہتے تھے مولانا شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا گھر اسی محلہ میں آباد تھا۔ سر سید احمد خان کا گھر بھی اسی محلہ کے

ایک حصّہ میں تھا، مولانا صہبائی بھی اسی محلہ میں رہتے تھے، غرض یہ محلہ بڑے بڑے صاحب کمال لوگوں کا مخزن تھا، منشی ذکار اللہ صاحب بھی اسی محلہ کے باشندے تھے، اور اب بھی ان کے لڑکے اسی محلہ میں آباد ہیں، مگر غدر کے وقت منشی صاحب شہر کے باہر چلے گئے تھے اور سرسید بھی اپنے کنبہ سمیت دہلی میں نہ تھے۔

منشی ذکار اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”اس مصیبت خاص کا سبب یہ ہوا کہ نواب شمشیر جنگ خان کے بیٹے محمد علی خان اور یاکچم فتح اللہ خان نے کسی انگریزی سپاہی کو زخمی کر دیا تھا، کیونکہ وہ ان کے زمانہ مکان میں مبرے ارادہ سے جانا چاہتا تھا۔ اس کی خبر انگریزی کمان افسر کو ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اس کو چہرے کے تمام مردوں کو قتل کر دیا مگر قتل کر کے لے آؤ۔“

اس حکم کی تعمیل ایسی سید روی سے ہوئی کہ محلہ میں کوئی مرد زندہ نہ بچا۔ یا تو سپاہیوں نے گھر و غنیمت گھسکر مار ڈالا یا گرفتار کر کے حاکم کے سامنے لے گئے۔ حاکم نے ان کو دیکھ کر حکم دیا کہ سب کو دریا کے کنارے لجاؤ اور گولی مار دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ان لوگوں کو رستی سے باندھا گیا، دریا کی ریتی میں قطار بنا کر کھڑا کیا گیا اور گولیوں کی باڑھ ان پر چلائی گئی جس سے سب مر کر گر پڑے۔ صرف دو آدمی زندہ بچے جن کے گولی نہ لگی تھی، جب سپاہی گولیاں مار کر چلے گئے تو یہ دونوں اٹھ کھڑے گئے، ان میں ایک مرزا مصطفیٰ بیگ تھے جو بعد میں رسالہ میں نوکر ہو گئے تھے اور دوسرے مولانا صہبائی کے داماد اور بھانجے وزیر الدین نامی تھے جو بعد میں کانپور جی کے سرشتہ دار ہو گئے تھے۔

مقتولوں میں ہندوستان کے آفتاب ماہیتا

ان مقتولوں میں ہندوستان کے دو چاند سورج بھی تھے، ایک مولانا صہبائی جن کی

فارسى دانى تمام ہندوستان میں مسلم تھی، اور ان سے زیادہ فارسى علم کا جاننے والا تمام ملک میں کوئی نہ تھا، میزرا غالب کے رفعات میں مولانا صہبائی کا بڑے درد انگیز الفاظ سے ذکر ہے۔ اور غالب ان کے کمالات کے بڑے قدردان تھے مفتی اعظم مفتی صدر الدین آزادہ نے مولانا صہبائی کے قتل کی خبر سنی تو شعر کہا:-

کیونکہ آزادہ نکلیجائے نہ سودائی ہو قتل اہل طرح سے جرم جو صہبائی ہو۔
مفتوں میں دو سکر نامو شخص سید محمد امیر عرف میر خیر بخش تھی جن کی خوشنویسی کا لوہا تمام ہندوستان مانتا تھا، اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حروف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے۔ وہ بھکاری فقیروں کو ایک حرف لکھ کر دیدیتے تھے، جو ایک روپیہ کے نوٹ کی طرح ہر جگہ روپیہ کو بکچاتا تھا، افسوس کہ یہ صاحب کمال بھی دریا کی ریتی میں مارا گیا۔

چیلوں کے کوچہ والے جو دریا کی ریتی میں بیچتا ہلاک کیے گئے ان کی تعداد کچھ علم کسی کو نہیں، مگر اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مولانا صہبائی کے کنبہ کے کہیں آدمی اس قطار میں مارے گئے، تو ظاہر ہے کہ جب ایک شخص کے ہمراہ ہی کیس تھے تو باقی اور بڑے آدمیوں کے ساتھ کتنے کتنے ہوں گے۔

صرف مسلمانوں کو باغی سمجھا جاتا تھا

ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر تاریخ ہند میں ہے جن کا نام منشی ذکار اللہ صاحبؒ نہیں لکھا ہے، وہ صرف مسلمانوں کو باغی سمجھتے تھے، جب کسی سے ملتے تو پوچھتے کہ تو مسلمان ہے یا ہندو؟ اگر وہ ہندو کہتا تو جانے دیتے، اور مسلمان کہتا تو مار ڈالتے۔ ایک دوست نے ان کو اس غلطی سے آگاہ کیا کہ بغاوت میں دونوں قومیں شریک تھیں تب انھوں نے مسلم کشی سے ہاتھ اٹھایا۔

گولی سے کتنے آدمی مارے گئے

انگریزی تاریخوں میں صرف گولی سے مارے جانے والوں کی تعداد سنو لہ سو لکھی ہے مگر مرنیوالوں کا شمار ایسی افراد فوری اور عام پریشانی کے وقت کون کیا کرتا ہے۔ مردم شماری میں زندہ آدمیوں کے شمار کے لئے تو ایک خاص محکمہ بنایا جاتا ہے۔ مردہ آدمیوں کا گننا اور پھر ان کو قلم بن کر نابالکل خلاف قیاس بات ہو معلوم نہیں کتنے مر گئے، اور کس قدر مارے گئے، ان کی گنتی معلوم بھی ہو تو کیا فائدہ ہو گا؟ لارڈ رابرٹس فیلڈ مارشل کی کتاب تاریخ چہل و یک سالہ میں ایک نظارہ دہلی کے مرنے والوں کا درج ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کس کثرت سے لوگ مارے گئے تھے، لارڈ موصوف نے صرف ایک ن کا نظارہ دکھایا ہے، اور خونی زری تو خیر نہیں کتنے دن قائم رہی تھی، وہ لکھتے ہیں:-

”ہم صبح کو لاہوری دروازہ سے چاندنی چوک میں گئے، تو ہم کو شہر حقیقت میں مردوں کا شہر نظر آتا تھا، کوئی آواز سوائے ہمارے، گھوڑوں کی ٹاپوں کے سنائی نہیں دیتی تھی، کوئی زندہ آدمی نظر نہیں آیا، سب طرف مردوں کا بکھونا بکچھا ہوا تھا، جس میں بعض حالت نزاع و جاں کنی میں مبتلا تھے۔“

ہم چل رہے تھے تو بہت آہستہ آہستہ بات کرتے تھے خوف تھا کہ ہماری آواز سے مرد بے زچونک پڑیں، اس بات کے دیکھنے سے کہ ایک طرف مردوں کی لاشوں کو گتے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف لاشوں کے آس پاس گدھ جمع ہیں جو ان کے گوشت کو نوج نوج کرنے سے کھا رہے ہیں اور ہماری آمد کی آواز سے اڑ اڑ کر تھوڑے فاصلہ پر

جا بیٹھے ہیں ہم کو بڑی عبرت ہوتی تھی، اور ہمارا دل رنجور چلتا تھا، بہت سے مُردے ایسے پڑے تھے گویا وہ زندہ ہیں۔ بعض مُردوں کے ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

غرض ان مُردوں کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی، جیسے کہ ہم کو ان کے دیکھنے سے دل رگتا تھا ویسے ہی ہمارے گھوڑے ان کو دیکھ کر ڈر کے مارے بدکتے اور ہنہاتے تھے، مُردوں کی لاشیں پڑی سڑتی تھیں اُن کے کتغن سے ہوا میں بیمار کرنیوالی بدبو اٹھ رہی تھی۔ اسی طرح ایک اور رحمدل انگریز نے دہلی کی حالت پر نہایت سادہ مگر موثر الفاظ میں لکھا ہے :-

دہلی کے باشندے اگرچہ سب نہیں مگر آدھے بے قصور شہر کے گرد و نواح۔ دیہات و جنگلوں میں پڑے ہوئے ہلاک ہو رہے ہیں۔ لارڈ رابرٹس جنگی آدمی تھے، مگر انہوں نے شاعروں کی طرح ایسا صحیح اور درناک منظر دہلی کے ہزار کا لکھ کر پیش کیا ہے جس کو پڑھ کر کلیجہ شق ہوا جاتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں اس شدت سے لوگ مارے گئے تھے کہ بازار لاشوں سے بھرے پڑے تھے، پھر جو انگریزی تاریخوں میں صرف سولہ سو آدمیوں کا لی سے مارا جانا لکھا گیا ہے اُس پر کوئی یقین کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال دہلی میں جس قدر لوگ مارے گئے اُن میں کم از کم آدھا حصہ اور عورتوں کا پورا حصہ محض بیگناہ تھا، اور نا عاقبت اندیش باغیوں کی حرکات ناشائستہ کے وبال میں یہ ظلم خواہ مخواہ موت کے گھاٹ اتارے گئے۔



بیمار کی چھپاسنی مرنے کے بعد بھی بیماری کا اثر موجود رہتا

انگریزوں کی خطا نہیں بعض ہندوستانی جھوٹ بول بول کر انگریزوں سے ظلم کراتے تھے، بہادر شاہ کے بھائی میرزا بابر کا لڑکا میرزا کالے مخروں میں لوکر ہو گیا تھا، اُس نے اپنے خاندان والوں پر ایسے ایسے ظلم کرائے جن کے منسنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، وہ اپنی کارگزاری کھانے کو ایسے ایسے جھوٹ بولتا تھا جنکا کچھ بھی سر پر نہ ہوتا تھا، معمولی شہزادوں کو گرفتار کرتا اور اُن سے کہدیتا کہ صاحب کے سامنے جا کر کہدینا کہ ہم بادشاہ کے قریبی رشتہ دار ہیں، اگر تم یہ کہو گے تو تم کو بادشاہ کے ساتھ رکھا جائے گا اور تمہاری پیشین مقرر ہو جائے گی۔

دوسری طرف حکام سے جا کر کہتا کہ میں نے فلاں شہزادہ کو گرفتار کر لیا ہے جو بادشاہ کا ایسا قریبی رشتہ دار ہے، اور جس نے غدر میں انگریزوں کے خلاف بڑے بڑے کام کیے ہیں، اور ایسے شخص کا گرفتار کرنا معمولی بات نہ تھی۔ حکام اس کی باتوں سے دھوکے میں آ جاتے تھے، اور پچارے شہزادوں کو بے گناہ پھانسیاں ہو جاتی تھیں۔

ابھی بے خطا شہزادوں میں ایک شہزادہ میرزا قیصر نامی تھو جو بہادر شاہ کے دادا شاہ عالم کے بیٹے تھے، وہ اس قدر بوڑھے تھے کہ اُن کے ہوش جو اس بھی درست نہ تھے، اور کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انہوں نے غدر میں کوئی حصہ لیا ہوگا، مگر مودی عقرب صفت مخزن نے انگریز حکام کو میرزا

قیصر کی طرف سے ایسی ایسی بے سرو پا باتیں سننا میں کہ حکام آگ بگولہ ہو گئے اور غریب بوڑھے شہزادہ کو پھانسی دیدی گئی۔

اسی طرح ایک اور بیمار شہزادہ میرزا محمود شاہ نامی تھا۔ یہ اکبر شاہ کا پوتا اور عرصہ دراز سے گھٹیا کے مرض میں مبتلا تھا۔ غدر کے زمانہ میں بچارا گھر میرتی حس و حرکت پڑا رہتا تھا، گھٹیا کے سبب اس کے ہاتھ پاؤں ایسے اکڑ گئے تھے کہ وہ گولا لاٹھی اور گول مٹول ہو گیا تھا، اس آفت نصیب کی شکایت بھی نون مرج لگا کر تجربے حکام سے جا کر کی اور اس کے بیان متاثر ہو کر میرزا محمود شاہ کو بھی پھانسی دیدی گئی ہنسی ذکر اللہ لکھتے ہیں پھانسی پانے کے بعد بھی میرزا محمود شاہ کی لاش گولا لاٹھی بنی اٹھکتی رہی اور جو شخص اس لاش کو دیکھتا تھا اور اس کی بیماری کا خیال کرتا تھا تو رنج و افسوس سے بے اختیار روئے لگتا تھا۔

سب انگریز بے رحم نہ تھے

جس شہر میں یہ بے رحمیاں ہو رہی تھیں اُسی شہر میں ایسے رحمدل انگریز بھی تھے جو بے گناہوں کی حمایت کرتے تھے، اور لاوارثوں کے وارث بن کر ان کی طرف سے حکام کے پاس سفارشیں لیجاتے تھے، بیماروں اور زخمیوں کو ہسپتال بھجواتے اپنے پاس سے بھوکوں، محتاجوں کو کھانا دیتے اور کوشش کرتے تھے کہ حکام دہلی سے بے گناہ لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ مگر ان کی کوشش ڈو وجہ سے اکثر ناکام رہتی تھی، ایک تو یہ کہ اختیارات عموماً ان انگریزوں کے ہاتھ میں تھے، جن کے بال بچے باغیوں کے ہاتھ سے بیگناہ مارے گئے تھے، اور ان کے گھروں کو لوٹا گیا تھا اور ان کو رہ رہ کر اپنے گھروں کی تباہی اور اپنے بچوں اور عورتوں کا بے کسی و ظلم سے مارا جانا یاد آتا تھا اور اس یاد کے سبب غم و غصہ ان کی

عقل پر پردے ڈال دیتا تھا، اور وہ حق و ناحق میں اچھی طرح تمیز نہ کر سکتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ خود مخبروں نے سفاکی پر کمر باندھ لی تھی، یہ جاسوس اور مخبر کے رہنے والے تھے، اور اپنی ناموری اور افسروں کی خوشنودی حاصل کرنے کو اس طرح کے فرضی قصے تصنیف کرتے تھے، ان میں سے بعض تو خود بغاوت میں شریک رہ چکے تھے، مگر اب دوسروں کو باغی ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، اور اس طرح اپنی جان بھی بچانی چاہتے تھے، اور روپیہ کھانا بھی مقصود تھا۔

گامی خان مخبر کی بہت دھوم مچی، وہ غدر میں باغیوں کے ساتھ بھٹا پھر انگریزوں سے آلا اور سیکڑوں بے گناہوں کو پھانسی پر لٹکوا دیا۔ سینکڑوں گھر اُجاڑ دیے، اور بے شمار جھوٹی اطلاعاتیں حکام کو دیں۔ گامی کی ہیبت مشکاف صاحب سے بھی زیادہ تھی۔ لوگ گامی کا نام سن کر کانپ جاتے تھے، آخر کاغذ کی ناؤ کے ڈوبنے کا وقت آیا اور سیاں گامی کے کرتوت کھل گئے تو حکام نے اس دغا باز کو بھی پھانسی دیدی۔

میرزا کا لے کے علاوہ ایک اور مخبر غلام فخر الدین نامی تھا۔ اس نے بھی اپنے شہر والوں کو ستانے اور پھانسیاں دلوانے میں کمی نہیں کی۔ غرض سب انگریز بے رحم نہیں تھے، سوائے چند مخصوص لوگوں کے جن میں مشکاف صاحب اور پٹن صاحب بہت نامور ہوئے، اور کوئی انگریز بھی حد سے زیادہ ظلم و ستم کا حامی نہ تھا۔

سر جان لارنس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے، کہ انہوں نے اس قیامت کے وقت دہلی اور اُس کے شریف باشندوں کی اپنی زوردار تحریروں میں ہمیشہ حمایت کی، اور کوئی دقیقہ اس میں باقی نہ رکھا، گو برسرِ اقتدار حکام دہلی اُن کے کہنے پر بہت کم عمل کرتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ ایسے وقت نرمی نہ کرنی چاہیئے۔

بلکہ اپنی قوت کو اچھی طرح ظاہر کرنا ضروری ہے۔

شہزادوں کا جیل خانے نہیں مرنا

جن شہزادوں کو قید کی سزا دی جاتی تھی ان کی مشقت موت سے زیادہ سخت ہوتی تھی، اول تو وہ مشقت کے عادی نہ تھے، دوسرے کام بھی ان کی بے طاقتی سے زیادہ لیا جاتا تھا، ان کو چمکی پیسنے کی عادت نہ تھی جبے یا وہ مقدار میں آٹا پسوایا جاتا اور نہ پستا تو ان پر کوڑوں کی مار پڑتی، یہاں تک کہ وہ بچہ چکر چند ہی روز میں مار کھا کھا کر قید ہستی سے رہا ہو جاتے۔

شہزادوں کا آخری زمانہ ایسی عیش پسندی کا تھا کہ وہ عہدی بندے ہو گئے تھے، وہ نوکرا اور لونڈی غلام کی مدد کے بغیر پانی بھی نہ پی سکتے تھے۔ یکایک اتنا بڑا انقلاب ان سے کیونکر برداشت ہوتا کہ چمکی چلا کر آٹا پیستے دو چار ہی ہاتھ چلائے سے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے، بازو شل ہو کر کام کرنے سے جواب دیدیتے تھے جیل کے برفراز تو ہر جگہ درخت کے فرشتے ہوتے ہیں وہ ان نازک بدنوں پر ذرا رحم نہ کرتے تھے اور اس قدر کوڑے ان کے مارتے تھے کہ یہ غریب مار کھاتے کھاتے بیہوش ہو جاتے تھے اور یہ تھا اس کشتی کا نتیجہ جو ان غریبوں کو بغیر کسی عمل کے بھگتنا پڑا۔

وہی شل ہے کرے ڈاڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔ بغاوت فوج نے کی، گرفت شہزادوں اور باشندگان شہر کی ہوئی۔ اگرچہ شہزادوں اور شہریوں میں بھی بعض لوگ قصور وار تھے، مگر سب خطا کار نہ تھے اور سزا بلا امتیاز سب کو دی جاتی تھی۔

والیان ریاست کو پھانسیاں

دہلی کی ایجنسی میں ساٹ ریہتیں تھیں، جھجھر۔ پاٹودی۔ دو جانہ۔ لہا رو۔
بلب گڑھ۔ فرخ نگر۔ بہادر گڑھ دادری۔

جھجھر کے نواب عبدالرحمن خاں پر یہ جرم عائد کیا گیا کہ انہوں نے سر فیضو فلس
مٹکاف صاحب کو سپاہ نہ دی جبکہ وہ ان کے پاس باغیوں سے بھاگ کر گئے تھے
اور بہادر شاہ کو عرضیاں بھیجیں، اس لیے ۲۰ اکتوبر کو فوج جھجھر گئی اور نواب صاحب
کو گرفتار کر لائی۔ قلعہ کے دیوان عام میں چند روز قید رہے۔ مقدمہ ہوا۔ اور
اس کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ریاست ضبط ہوئی۔

بلب گڑھ کے راجہ ناہر سنگہ پر یہ جرم عائد ہوا کہ اس نے منڈرو
صاحب کویل رزیدنٹی کی جان نہ بچائی اور وہ اس کے علاقہ میں باغیوں کے ہاتھ
سے مارے گئے، نیز اس نے بادشاہ کو بہت سی عرضیاں لکھیں، اس کو بھی پھانسی
کی سزا دی گئی اور ریاست ضبط۔

فرخ نگر کے نواب احمد علی خان کو پھانسی اور بٹی ریاست کی سزا ملی۔

لہارو کے رئیس نواب امین الدین خاں اور نواب ضیاء الدین خاں کچھ دن
قید رہے۔ مقدمہ میں کئی گھنٹے کھڑا رہنا پڑا۔ آخر سر جان لارنس کی کوشش
سے رہائی پائی اور ریاست بھی بحال رہی۔

پاٹودی اور دو جانہ پر کوئی جرم عائد نہیں ہوا۔ بہادر گڑھ دادری کے رئیس
بہادر جنگ خاں پھانسی سے تونچ گئے، مگر ریاست ضبط ہوئی۔ اور لاہور
میں رہنے کا حکم ملا۔ اور ہزار یا پانسو روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔

پھانسی کا منظر

جب جھڑ-بلب گڑھ-فرخ نگر کے ریسوں کو پھانسیا دی جاتیں، تو شہر کے سب دروازے بند ہو جاتے، تیسرے پہر کا وقت ہوتا۔ فوج باجہ بجاتی ہوئی آتی، اور پھانسی گھر کے سامنے آکر ٹھہر جاتی، پھر قلعہ سے پھانسی پانے والے مجرم کو ایک کراچی میں لایا جاتا، جس کے گرد کھڑا ہوتا تھا مجرم کے ہاتھ پیٹھ کی طرف بندھے ہوئے ہوتے تھے، کو توالی کے چاروں طرف انگریز تماشاخی جمع ہوتے تھے، جب پھانسی کا تختہ کھینچا جاتا تو تماشاخی ہنستے، اس کے بعد لاش اونڈھے منہ کراچی میں ڈال دی جاتی، اور شہر کے باہر کسی جگہ دفن کرنے کو بھیج دی جاتی تھی۔

پھانسی پانے والوں کی کئی قسمیں تھیں، ایک تو وہ لوگ تھے جو بادشاہ سے تعلق خاص رکھتے تھے یا ان کے نوکر تھے اور انہوں نے قلعہ کے مقتول انگریزوں اور عورتوں بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا، اور دوسرے وہ تھے جنہوں نے جہاد سمجھے نام سے لڑائی میں حصہ لیا تھا اور اب مسجدوں میں بیمار یا زخمی پڑے تھے، تیسرے وہ تھے جنہوں نے میگزین میں انگریزوں کو دق کیا تھا، چوتھے باغی سپاہی تھے جو چھپے چھپائے کہیں نہ کہیں دستیاب ہو جاتے تھے، پانچویں اجمیری دروازہ کے مسلمان موچی تھے جنہوں نے مٹکاف حبس پر بانسوں سے حملہ کیا تھا، جبکہ وہ باغیوں سے بھاگ کر اجمیری دروازے کی طرف سے شہر کے باہر جانا چاہتے تھے، چھٹے وہ یوواٹی اور گوجر تھے جنہوں نے چاروں طرف لوٹ چار کھی تھی۔

کو توالی چاندنی چوک کے سامنے ایک حوض تھا جو اب بند ہو گیا ہے اُس کے

تین طرف پھانسیاں گر طی ہوئی بھتیس۔

۱۔ ۱۔ ۱۔ بہت نامناسب کام!

پھانسی دینے کے وقت ایک بات بہت نامناسب پائی جاتی تھی، کچھ ناسی پانے والوں کی ایک قطار لاکھڑی کی جاتی تھی، اُس میں سے آدھے پھانسی پر لٹکا دیے جاتے اور آدھے کھڑے ہوئے دیکھتے رہتے کہ اس کے بعد ہمارا نمبر آئیگا، مہذب قوموں کے ہاں یہ بات بہت نامناسب و عجیب سمجھی جاتی ہے، دہلی کے بعض شرفا الوری کی ریاست میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ جب دہلی میں گرفتاریاں اور قتل کاریاں ہوئیں تو صداماء و مشرفا بھاگ بھاگ کرا لور پہنچے، اُن کا خیال تھا کہ الوریس ہم کو امن اور پناہ مل جائیگی مگر غلام مختار الدین خان جاسوس موت کا شہر بن کر الوری پہنچا اور ایک ایک کو چنکر گرفتار کر لایا، کچھ تو گورگاہوں کے مجسٹریٹ کے حکم سے راستہ میں درختوں پر لٹکا دیے گئے، اور باقی دہلی لائے گئے اور یہاں اُن کو پھانسیاں دی گئیں۔

بوڑھی مائیں بیٹوں کی موت دیکھنے آئیں

تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ جوق الوری کے قیدی پکڑے ہوئے آئے اور اُن کو پھانسی کا حکم دیا گیا اور اُن کی پھانسی کا وقت آیا تو قیدیوں میں سے چار جوانوں کی بوڑھی مائیں بھی اُن کی موت کا تماشہ دیکھنے آ گئیں، یہ جوان برق برق پکڑے پہنے ہوئے تھے، سر پر شیشی اور زریں سیلے بندھے ہوئے تھے، پیروں میں ٹاٹ بانی جوتیاں، چُست انگرکھے چوڑے چوڑے سیاہ گورے

گورے چہرے۔

جس وقت حلال خور نے ان کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کیا، ان کی بڑھیا ماؤں کا غم کے مارے عجیب حال تھا، چھین مارتی تھیں پچھاڑیں کھاتی تھیں۔ اور کجہ کپڑے کے زمین پر لوٹی جاتی تھیں، اور ان کے بیٹے دم بخود چپ چاپ اپنی ضعیف ماؤں کی بےقراری دیکھ رہے تھے، دیکھتے دیکھتے تختہ کھینچ گیا اور وہ موت کے پھندے میں لٹکے لگے۔

اس دن حلال خور نہال ہو گیا تھا، کیونکہ زیریں سیلوں اور ماٹ بافی جو تھوڑا ایک انبار اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

دہلی میں ایک رئیس نواب محمد حسن خاں نامی تھے انھوں نے ایک میم کو اپنی گھر میں پناہ دینے کی نیکی کے ساتھ ایک بُرائی یہ کی کہ میم صاحبہ کی آبرو خراب کر ڈالی جس سے اُن کو حل ہو گیا، اس جرم میں نواب حاکم کو بھی پھانسی دی گئی۔ مگر میم نے یہ شرافت برتی کہ نواب صاحب کی بیوی کے مال اسباب کو لوٹنے بچا دیا اور اپنے پاس سے بھی نقدی دیکر گزارہ کا سامان کر دیا۔

سر جان لارنس کی رائے میں لکھا ہے کہ جس جگہ پھانسیاں دی جاتی تھیں وہاں ایک ایسی دوکاندار کرسیاں بچھاتا تھا اور اُن پر انگریز افسر آکر بیٹھتے تھے اور دوکاندار کو کرسیوں کا کرایہ دیتے تھے۔ وہاں یہ لوگ پھانسی کا تماشہ دیکھتے۔ چرٹ پیتے، اور مرنے کی آخری سیر کرتے تھے، اگر کوئی میم ہو گزرتی تو وہ پھانسی کا منظر نہ دیکھ سکتی اور ٹوپی سے اپنی آنکھوں اور چہرہ کے سامنے آڑ کر بیتی تھی۔

مسلمانوں کے لئے ایک جرم یہ بھی تھا کہ ان کی شان سپاہیانہ ہی نہیں ہے اگر کسی مسلمان کی شان سپاہیانہ ہوتی تو پھانسی دینے کا ایک بڑا سبب ہی ہو جاتا

تھا، تاریخ ہند میں ہے کہ ایک روز بارہ مسلمان گرفتار ہو کر آئے اُن کا کوئی جرم ثابت نہ ہوا تو اس خطا پر اُن کو پھانسی دیدی گئی کہ ان کی صورت سپاہیانہ ہے اور وہ ضرور بغاوت میں شریک ہوئے ہوں گے۔

غدر سے پہلے تمام مسلمان حتیٰ کہ علماء اور درویش بھی سپاہیانہ وضع رکھتے تھے، حضرت مولانا فخر الدین فخر صاحبؒ تمام عمر سپاہیانہ وضع رکھی، مگر غدر کے بعد یہ مجرم ہونے کی علامت تھی۔

امرا و شرفیوالات میں

نواب حامد علی خاں، حکیم حسن اللہ خاں، نواب احمد قلی خاں، سید سردار مرزا مفتی صدر الدین وغیرہ نامور امرا و شرفیوالات میں سے تھے، ان میں بعض امیرزادے ایسے بے فکرے تھے کہ شطرنج، گنبد، چومر کے کھیل میں مصروف رہتے، حالانکہ ان میں سے روزانہ ایک دو آدمیوں کو پھانسیاں ہوتی تھیں، مگر ان کے لہو و لعب کا شوق اس کے باوجود باقی تھا۔

مشکاف صاحب کو ایک دن خبر ملی کہ حکیم محمد خاں صاحب کے مکان میں، سے باغی پوشیدہ ہیں، وہ فوج لیکر گئے اور سب کو ایک رسہ کے حلقے میں گرفتار کر کے کوٹوالی لے آئے۔ حکیم محمد خاں بھی مروّت و شرافت کے سبب گرفتار شدہ لوگوں کے ساتھ کوٹوالی چلے گئے، شہر میں چرچا ہوا کہ حکیم صاحب بھی گرفتار ہوئے، مگر وہ اپنی خوشی سے گئے تھے، رات بھر کوٹوالی میں رہے صبح کو چلے آئے، اور اُن کی کوشش سے وہ سب قیدی بھی چھوٹ گئے جو ان کے مکان سے گرفتار ہوئے تھے۔

شہر کے آس پاس درگاہ قدم شریف اور عرب سرائے۔ پڑائے قلعہ اور

درگاہ سلطان جی صاحب میں جو گ بھاگ کر چلے گئے تھے، ان کی تلاش کے لئے سرطکاف روزانہ فوج لیکر جاتے تھے اور رسہ کے حلقے میں گھیر لاتے تھے، گھیرا پڑنے کی جگہ جگہ ہیبت چھائی ہوئی تھی، ان قیدیوں کو قیدِ جرمانہ کی سزائیں ملتی تھیں، مگر مسلمانوں کے پاس جرمانہ دینے کو کچھ باقی نہ تھا اس لئے وہ عموماً قید کیے جاتے تھے۔

شہزادہ امیر الملک کا بیان!

اس کتاب کی تحریر کے وقت میں شہزادہ میرزا امیر الملک عرف میرزا بلاتی سے ملا، اور ان سے تاریخی باتوں کی تصدیق چاہی، کیونکہ وہ غدر میں موجود تھے اور آج کل چاندنی محل کے محلہ میں رہتے ہیں،

انھوں نے کہا کہ میرزا قیصر کی پھانسی کا قصہ سچا نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ غدر کے بعد تک زندہ رہے، اور اپنی موت سے مرے۔ مگر یہ واقعہ منشی کا اشر صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے، ممکن ہے میرزا بلاتی جسا کو پورا علم نہ ہو۔

میرزا بلاتی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ گامی خاں مخبر کا بڑا خوف لگا رہا تھا کہ میرزا بلاتی کے والدہ کے ساتھ درگاہ حضرت سلطان جی کے قریب ایک مقبرہ میں تھا کہ ایک نوکر آیا اور اماں سے کہا کہ گامی خاں کہتے تھے کہ یہ لوطا (میرزا بلاتی) بہادر شاہ سے خوش خطی لیکھا کرتا تھا، مجھے اسکا حال معلوم ہے، پس یہ سنتے ہی والدہ ڈر گئیں اور جب انہوں نے یہ سنا کہ گامی خاں درگاہ میں آیا ہوا ہے تو انہوں نے مجھ کو تو چارہ پانی کی ادوان پر لٹا کر رضائی میرے اوپر اس طرح ڈال دی گویا بچھونا رکھا ہے اور نوکر کو سونے کی بالیاں اتار کر دیں کہ یہ گامی کو دید و اور کہدو کہ میرے بچے کی مخبری نہ کرے، میرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں

شام تک اسی طرح پڑا رہا۔

اُن کا یہ بیان بھی قابلِ تحریر ہے کہ ہم لوگ بادشاہ کے آنے سے پہلے درگاہِ سلطان جی صاحب میں آ گئے تھے۔ جب خبر ملی کہ بادشاہ مقبرہ ہمایوں میں آ گئے ہیں تو میں نوکر کے ساتھ والدہ کے کہنے کے بموجب اُن کو سلام کر لے گیا۔ بہادر شاہ اُس وقت ہمایوں کی قبر سے نکلیے بیٹھ تھے، میں نے جا کر سلام کیا تو گھبرا کر فرمایا: ”بھئی اماں! تم یہاں کہاں؟“ لویہ تہا رکھوان کے روپے ہیں۔ لو۔ اور ابھی چلے جاؤ۔ جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔“

مجھ کو بادشاہ کے ہاں سے کھانے کا خوان ملا کرتا تھا، اس کے عوض بادشاہ نے پانچ روپے مجھ کو دیئے اور رخصت کر دیا۔

میرزا قویاش کی تلاش

میرزا بلاقی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خوف زیادہ بڑا تو والدہ ہم کو لیکر رتھ میں سوار ہوئیں اور قطب صاحب لے چلیں، ہم راستہ میں تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی، اور تھوڑی دیر میں سواروں نے ہمارے رتھ کو گھیر لیا۔ ایک آدمی نے پردہ کے سوراخ میں منہ ڈال کر جھانکا تو اماں بولیں، کون ہے؟ زنانہ میں کیوں جھانکتا ہے؟ تو جواب ملا: میں ہوں میرزا الہی بخش۔ رتھ کے اندر میرزا قویاش تو نہیں ہیں؟ اماں نے کہا:۔ ہوش کی خبر۔ لو۔ میرزا قویاش یہاں کہاں؟ میرے بچے اس رتھ میں ہیں۔ اس کے بعد ہڈ سن صاحب نے جو رتھ کی دوسری طرف کھڑے تھے اپنے کوڑے سے رتھ کا پردہ اٹھایا، اور میری کوک میں اپنے کوڑے کی نوک لگائی، میں خوف سے کانپنے لگا، مگر جب اُن کو معلوم ہو گیا

کہ میرزا قویاش رتھ کے اندر نہیں ہیں تو وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے
قطب صاحب کی طرف چلے گئے۔

سواروں میں ایک ہڈسن صاحب تھے، اور ایک میرزا الہی بخش اور
دو میرزا صاحب کے اردلی بخوفاں وغیرہ تھے۔

جب وہ آگے بڑھ گئے تو ہمارا رتھ بھی روانہ ہوا، تھوڑی دور گڑ
تھے کہ سڑک کے مغربی رخ جنگل میں میرزا قویاش کو گھوڑے پر سوار کھڑا دیکھا
اُن کے سر پر ٹوپی نہ تھی اور چہرہ پر خاک پڑی ہوئی تھی، اور بڑے گھبراے
ہوئے معلوم ہوتے تھے، اور جس گھوڑے پر سوار تھے وہ بہت ہی معمولی
درجہ کا معلوم ہوتا تھا، میرزا قویاش نے رتھ کو دیکھا اور مجھ کو بچانا تو قریب آئے
والدہ نے اُن سے فرمایا، میرزا خدا کے لئے جلدی بھاگ، تیری تلاش میں مٹی سن
صاحب اور میرزا الہی بخش ابھی قطب صفا گئے ہیں، تھوڑی دیر میں اُلے آتے ہو گے
اس راستہ سے نہ جانا کسی اور طرف جانا۔

میرزا قویاش یہ سن کر اور گھبرا گئے، اور سلام کر کے گھوڑا بڑھا کر جنگل میں چلے گئے
اور پھر آج تک اُن کا پتہ نہ لگا کہ وہ کہاں گئے۔ میرزا بلکاتی صاحب کا بیٹا
ختم ہوا۔

تین دن کی لوٹ

قبضہ دہلی کے بعد تین روز تک فوجی سپاہیوں کو دہلی کی لوٹ معاف رہی،
جنہوں نے اچھی طرح پیٹ بھر کر جس قدر لوٹا جاسکا لوٹا۔ ان سپاہیوں میں
بعض ایسی اقوام کے لوگ تھے جن کا لوٹ کھسوٹ خاندانی پیشہ تھا۔ اس واسطے
وہ مال رکھنے کی جگہوں کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے جب وہ گھروں کے اندر

جاتے تو تمام دیواروں کو ہاتھوں سے تھپک تھپک کر دیکھتے تھے، کیونکہ انکو معلوم تھا کہ اکثر لوگ دیواروں کے اندر روزن بنا کر اس میں زیور اور روپیہ رکھ دیتے ہیں، اس لئے جہاں کہیں سے دیوار کے اندر کھوکھلے پن کی آواز آتی وہ اسکو کھودتے اور زیور روپیہ وغیرہ نکال لیتے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لوگ زمین کے اندر دولت کو دفن کر دیتے ہیں اس واسطے وہ گھروں میں اگر جگہ جگہ پانی بہاتے اور جہاں دیکھتے کہ پانی جذب ہو گیا اسی مقام کو کھود کر روپیہ پیسہ نکال لیتے تھے۔

تین روز کے بعد فوج کی درخواست پر حکام نے

پرائز ایجنسی

کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا جسکا کام یہ قرار پایا کہ تین دن کی لوٹ کے بعد شہر میں جو کچھ مال دولت باقی ہو وہ جمع کر کے اس محکمہ کے ذریعہ نیلام یا فروخت کر لیا جائے اور وہ روپیہ فوج کو تقسیم کر دیا جائے۔

پرائز ایجنسی کے قائم ہونے سے عام لوٹ مار تو بند ہو گئی۔ لیکن پوری طرح اس کا سد باب نہ ہوا۔ شہر کے دروازے بند کر دیے گئے تھے، تاکہ سپاہی لوٹ کا مال باہر نہ لے جا سکیں تاہم سپاہی رستیاں بانڈھ بانڈھ کر فصیل کے نیچے اتر جاتے تھے، آدھے فصیل کے نیچے کھڑے رہتے، آدھے لوٹ کا مال رستیوں میں بانڈھ بانڈھ کر باہر ان کو پہنچاتے رہتے۔

گوروں نے بالکل نہیں لوٹا

منشی ذکرا اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس لوٹ میں صرف پنجابی اور سرحدی اور سکھ قومیں شریک تھیں، گورے اور ہندوستانی سپاہیوں نے لوٹ کے مال کو

ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

پرائز ایجنسی کا کام یہ تھا کہ اس نے اپنے ماتحت کئی قسم کے عہدہ دار قائم کیے تھے، کوئی عہدہ دار صرف کتابوں کو جمع کرتا تھا، کوئی برتنوں، چارپائیوں اور چکیوں کو، کوئی دفتروں کو کھڈواتا تھا، دفتروں کی کھڈوائی کے لئے انہوں نے یہ حکمت کی تھی کہ راج مزدوروں کو کمیشن دینے کا لالچ دیکر اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ تیغے اور دینے عموماً راج مزدوروں کے ذریعے تیار ہوتے تھے اس واسطے پرائز ایجنسی کو بہت آسانی کے ساتھ تمام دینے دستیاب ہو گئے۔

یہ تمام مال و اسباب مختلف مقامات پر گوداموں میں بکھرا جاتا تھا منصوبہ کی جو پٹی میں شہر کے اندر تانبے اور پیتل کے برتن رکھے جاتے تھے، پروفیسر راجندر کی کوٹھی میں کتابیں جمع کی جاتی تھیں۔

کھڈائی سارے شہر میں ایسی ہوتی کہ پہلے زمانہ کے روپیہ اور اشرفیاں بھی گڑی ہوئی نکل آئیں کہتے ہیں کہ نواب محمد میر خاں کے مکان میں سے ساٹھ ہزار روپے کا ایک دفتہ ایسا نکلا جس کا حال گھر والوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ یہ روپے دیک کے سکے کے تھے۔

پرائز ایجنسی کو ان طریقوں کے علاوہ ایک اور طریقہ سے بھی بہت سارے روپیہ حاصل ہوا اور وہ یہ تھا کہ بڑے بڑے امیروں کو جاں بخشی کی سندیں خاطر خواہ روپیہ دیکر دی جاتی تھیں، مشہور ہے کہ نواب حامد علی خاں اور مفتی صدر الدین خاں اور کمند لال مصر نے اسی طرح زبردستی دیکر اپنی جائیں بچا لی تھیں، ایک صاحب بہادر شاہ کے بیٹے جواں بخت کو ہاتھی کی عماری پر بٹھا کر لال کنوئیں کے قریب جواں بخت کی ماں زینت محل کے محل میں لے گئے اور ان سے زینت محل کے مال کا پتہ پوچھ کر اس کو وہاں سے نکال لیا۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ صاحب بہادر

کون تھے اور یہ روپیہ اُنھوں نے خود رکھا یا پرائز ایجنسی کو دیدیا۔ بعض آدمی کھانے پینے سے ایسے محتاج ہو گئے تھے کہ اُنہوں نے خود اپنا مال پرائز ایجنسی کے کارندوں کو بتایا تاکہ ہر طرح کیشن اُن کو مل جائے بعض ناخلف بیٹوں نے ماں باپوں کا بعض نے اپنے عزیزوں کا مال بنانے میں حصہ لیا۔ ایک صاحب کا کام یہ تھا کہ شہر کے محلوں اور بازاروں اور بڑی حویلیوں کے دروازوں کو اکھیرتے اور جمع کر کے اُن میں آگ لگا دیتے اور دوسرے دن راکھ کے ڈھیر میں سے جب قدر لوہا پستیل نکلتا اس کو اٹھوا کر بیچا کرتے۔

ایمان دار فوجی مسلمان

بعض ایمان دار فوجی مسلمان ایسے تھے کہ وہ مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا گناہ جانتے تھے، وہ مسلمانوں کے گھروں میں سے صرف قرآن شریف کو لے لیتے، اور جس جگہ قرآن کو بُری طرح بڑا ہوا دیکھتے تو چشم پڑا آب ہو کر پہلے اس کو جو متے اور پھر اٹھا کر لے آتے،

ایک مسلمان افسر نے دہلی کی مشہور جامع مسجد میں فوج کے ساتھ رہتا تھا جامع مسجد کے کل تبرکات اور ہزار بارہ سو روپے کی چاندی کی کشتی جس میں یہ تبرکات رکھے جاتے تھے درگاہ شریف کے ہتھ خانہ میں سے لے کر وہاں کے خادموں کو دیدیے جو آج تک اُنکے پاس موجود ہیں۔

ہندوؤں پر جرمانہ

جب پرائز ایجنسی کے ہاتھ اور طریقوں سے روپیہ آنا بند ہو گیا تو اُنہوں نے ہندوؤں سے جرمانہ وصول کر کے محلوں میں آباد کرنا شروع کیا، جرمانہ کی

مقدار کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ صرف نیل کے کٹرہ کے باشندوں سے ۵۰ ہزار روپیہ لیا گیا تھا، حالانکہ اس محلہ نے لڑائی میں شرکت نہ کی تھی، لیکن تاوان جنگ لیکر صرف ہندو آباد کیے جاتے تھے، مسلمانوں کو مارچ ۱۵۵۸ء تک شہر میں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی۔

مسلمانوں کو آباد ہونے کی اجازت

آخر مارچ ۱۵۵۸ء میں خدا کا نیک بندہ سر جان لالائی علی میں آیا اور اس نے مسلمانوں کو کبھی شہر میں آباد ہونے کی اجازت دی، مہنری مسجد میں منشی دیو کی مندن جو کیدارہ کے بخشی آکر بیٹھے ان کے پاس جو کیدارہ کا رجسٹر تھا، جس میں مکانات کے مالکوں کے نام درج تھے، اس کے مطابق مسلمانوں کو اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے کے لئے شرطیں تقسیم کئے گئے، اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم ملا کہ ڈیڑھ روپیہ دیکر دو چار پائیاں اور ایک چلی مول لے لیں۔ اس طرح پرائمر انجینی کے پاس جویشمار چار پائیاں اور چکیاں جمع تھیں وہ چند روز میں فروخت ہو گئیں۔

جب مسلمان اپنے گھروں میں آباد ہوئے تو مکانات میں نہ کوئی اسباب تھا اور نہ کوڑا تھے، کیونکہ وہ کبھی بڑی بے دردی سے ایندھن کی جگہ جلا دیے گئے تھے، مسلمانوں کی تب ہی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، غدر کے ایک برس بعد ہی ۱۵۵۸ء میں مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سابقہ آبادی کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہ تھے،

۱۵۵۹ء تک مسلمانوں کے خاص مکانات سرکاری ضبطی میں رہے اور مسلمان شہر کے اندر بغیر کسی افسر کے پاس کے چل پھر نہیں سکتے تھے۔

دہلی کی جامع مسجد

دہلی فتح ہوئی تو مسلمان سپاہی ہندوؤں کے مندروں میں گھس گئے اور ان کو خراب کر ڈالا۔ اور ہندو سپاہیوں نے مسجدوں کو خراب کیا، دہلی کی بڑی جامع مسجد میں کچھ سپاہیوں کی بارگ بنائی گئی تھی، پاخانے اور پیشاب خانے بھی اسی کے اندر تھے، میناروں کے نیچے حلوے پکائے جاتے تھے، اور سور بھی ذبح ہو کر پختے تھے، تکتے جو انگریزوں کے ساتھ تھے اندر بڑے پھرتے تھے زینت المساجد کو گوروں کا مسکوٹ لکھ بنایا گیا تھا۔ شیعہوں کی مشہور مسجد جو نواب حامد علی خاں کی مسجد کہلاتی تھی اس میں گدھے باندھے جاتے تھے۔ قلعہ کے نیچے ایک بڑی عالی شان مسجد اکبر آبادی بالکل مسمار کر دی گئی اور اسی طرح اور بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا خاتمہ ہوا۔ کو تو والی کے قریب سکھوں کے گردوارہ سے چپ پاں ایک مسجد تھی اس کے ملنے کی درخواست ہمارا جہ جیند نے سرکار سے کی اور وہ اس کو سرکار نے دیدی۔ ہمارا جہ نے اس مسجد کو توڑا اور گوروں کے دروازہ میں ملا دیا، چنانچہ وہ اب تک گوروں کے اندر شامل ہے، یہ تمام حالات تاریخ ہند کے صفحہ ۱۵، سے صفحہ ۱۷، تک میں موجود ہیں جو سن ۱۹۰۷ء میں شمس المطابع دہلی نے چھاپی۔

دہلی کے ہندو کیوں کر امیر ہوئے

گو مسلمان سود لینے کو حرام سمجھتے تھے، مگر پرامیسری نوٹوں کے سود لینے کو بعض سنی مسلمان اور کل شیعہ علی العموم حلال جانتے تھے، ان کے پاس بانچ سات لاکھ روپے کے پرامیسری نوٹ تھے جب غدر ہوا تو مسلمانوں کو یقین

تھا کہ اب انگریزی عملداری پھر نہیں آئے گی، اس لئے انہوں نے ان نوٹوں کو ۴ روپے سے یکڑہ کے حساب سے پیچڑالا اور ہندوؤں کو یقین تھا کہ انگریزی عملداری پھر قائم ہوگی اس لئے انہوں نے یہ نوٹ خرید لئے اور اس طرح ہندوؤں کو کئی لاکھ روپے مل گئے۔

مسلمانوں کا سارا سبب جو پرائیجنسی نے جمع کیا تھا وہ زیادہ تر ہندوؤں نے نیلام میں بہت ارزاں خرید اور اس مال و سبب کی دکانیں کھول کر خوب روپے کمائے۔

باغی مسلمانوں کے جو مکانات ضبط ہو کر نیلام ہوئے وہ سب کے سب ہندوؤں نے بہت سستے داموں میں خرید لئے جن کی قیمت اب پچاس گنی سے بھی زیادہ ہو گئی ہے، مسلمانوں کے بڑے بڑے مشہور مکانات جیسے کلاں محل۔ مرزا جنتہ بخت کی حویلی۔ جھروالوں کی کوٹھی شیش محل۔ نواب منصور خاں کی حویلیاں جو ایک ایک محلہ کی برابری تھیں، وہ سب ہندوؤں نے خریدیں۔

جن محلوں میں غدر سے پہلے ہندوؤں کی ملکیت ایک مکان بھی نہ تھا غدر کے بعد ان محلوں میں زیادہ مکانات کے مالک ہندو ہو گئے۔ مسلمانوں نے اپنی ضرورتوں کے سبب بچا کچھا۔ گڑا۔ دبا۔ زیور بہت سستے داموں ہندوؤں کے ہاتھ بیچا، وہ بارہ آنہ تولہ چاندی لیتے تھے اور چودہ پندرہ روپیہ تولہ سونا غرض دہلی کا غدر مسلمانوں کے لئے تباہی کی دیوی لایا تھا اور ہندوؤں کے واسطے لکشتی۔

گورنمنٹ کے خیر خواہوں کو انعام

سرکار نے ان انگریزوں کو جن کا اسباب باغیوں نے لوٹا تھا اور ان ہندوستانی

خیر خواہوں کو جنکا اسباب انگریزی خیر خواہی کے سبب لوٹا گیا تھا بڑی بڑی شاہانہ فیاضیوں کے معاوضے عطا کیے۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپے ٹمرا الہی بخش کو عطا ہوئے۔ نواب امین اللہ خاں عرف منشی عمو جان کو جو ریاست الوریس سرکار کے خیر خواہ رہے ۵۰ ہزار روپیہ دیا گیا۔ اسی طرح اور بہت لوگوں کو۔

دہلی میں مسلمان عورتوں کی مصیبت

جب ہزار ہا مسلمان مارے گئے تو ان کی لاوارث بیویاں کنواری بیہا ہی دکھیاں اور بنیں اور مائیں بے سہارے رہ گئیں، ان میں سب سے عورتوں نے انگریزی فوج کے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں، اور بعض نے جلدی کا پیشہ اختیار کر لیا، بہادر شاہ کی ایک بیٹی ربیعہ بیگم نے روٹیوں سے محتاج ہونے کے سبب دہلی کے مشہور حسینی باورچی سے شادی کر لی۔ بہادر شاہ کی ایک دوسری بیٹی فاطمہ سلطان پادریوں کے زمانہ اسکول میں معلمی کا پیشہ کرنے لگیں۔ صد ہا عورتوں نے اپنے بال جڑوں کی شدت سے کٹوا ڈالے اور سر منڈوائے ہزاروں شریف عورتیں بھیک مانگنے لگیں۔ اگر کوئی شخص ایک ایک خیر ساری روٹی یا ایک ایک مٹھی چنے یا کوڑیاں تقسیم کرتا تو مسلمان عورتوں کے غول کے غول جمع ہو جاتے تھے، یہ وہ عورتیں تھیں جو سال دو سال پہلے خود ہزاروں روپیہ کی خیرات اپنے گھروں میں بچھ کر کرتی تھیں، دہلی کے مفتی عظیم صدر الدین خاں آزاد نے ایک نظم میں اس وقت کی دہلی کا حال اس طرح سے لکھا ہے۔

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی وہاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی کالے میر ٹھہر گیا آئے کہ آفت آئی
گو شرزد تھا جو فسانوں سے وہ آنکھوں کیچھا

جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں پکھا
 جن کو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا
 اہل نااہل سے غلط انھیں زہنہار نہ تھا
 ان کی خلوت سے کوئی واقف ہرگز نہ تھا
 وہ گلی کوچوں میں پھرتے تھے پریشاں درد
 خاک بھی ملتی نہیں ان کو کہ ڈالیں سر پر
 اسی طرح جناب نواب مرزا صاحب داغ دہلوی نے ایک بڑی نظم لکھی
 ہے جس کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے :-

غضب میں آئی رعیت بلا میں شہر آیا
 یہ پور بی نہیں آئے خدا کا قہر آیا
 زباں سے بکت ہوئے دین دین آئے لعین جو مٹا دین تھا کوئی تو کوئی گنگا دین
 یہ جانتے ہی نہ تھے چیر کیا ہے دین متین کئے تھے قتل زن و بچہ کیسے کیسے حسین
 روانہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا
 غرض وہ کام کیا۔ کام ہی تمام کیا
 جلی ہیں ہو پشیمیں گلیں جو مہتاب کی تھیں کچھی ہیں کانٹوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں
 نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ نواب محمد اسحاق خاں مرحوم کے والد
 لکھتے ہیں :-

دلی اب ہر تین بجاں - تین بجاں کیا خاک
 جان سے جا چکے جو لوگ تھے جان دہلی

غمناک سماں

سر جان لائرس کی لائف میں قلعہ دہلی کا ایک غمناک سماں کسی انگریز نے لکھا

ہے جس کو یہاں درج کیا جاتا ہے :-

”ایک بڑے سلسلہ خاندان شاہی کے آخری بادشاہ کی عالی شان غلام گردشیں اور شاہانہ خلوت سرعوام لناس کی نگاہ کے روبرو کھلی ہوئی تھیں۔ اور سلج آدمی جو دوسروں کے نوکر تھے اس کے آس پاس جمع تھے بیچارہ بوڑھا بادشاہ جو مجبوری باغیوں کی ہاتھ کی کٹھ پتلی بنا تھا اپنے محل سے نکالا ہوا ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے پھانسی دینے کی تجویزیں ہو رہی تھیں، وہ افسروں اور سپاہیوں کی گالیاں اور گھڑکیاں سن رہا تھا، شہنشاہ بیگم اس کی آڑ میں اپنے جسم کو چھپاتی تھیں، تاکہ کسی ناختم یا ظالم کی نظر نہ پڑ جائے۔“

سرجان لارنس کی لائف میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ گورنر وول لگی کے طور پر قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے بہادر شاہ کی تصویر بنائی اور تصویر کو پھانسی پر چڑھایا۔

سرجان لارنس کی لائف کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ ایک شخص نے دہلی کا چشم دید حال مجھ کو ان الفاظ میں تحریر کیا :-

”کوسوں تک بنجر ایک فاقہ زدہ بٹی کے اور ایک پوری مصیبت کی ماری عورت کے جو گود و طیمٹی پھرتی تھی کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ کالج کی عمارت میں یورپین توپ خانہ نصب تھا جامع مسجد جو تمام ہندوستان میں بے نظیر ہے سکھوں کی فوجی بارک تھی، اور ماشل لا جارہی تھا۔“

سرجان لارنس کی رحمدلی

ایک طرف یہ ہولناک مصائب تھے جن کا بیان کیا گیا۔ دوسری طرف ایک

انگریز کی رحمہ لی کام کر رہی تھی جسکا تذکرہ اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے سر جان لارنس کی رحمہ لی کا ثبوت ان خطوط سے ہوگا، جو ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں، شہزادوں کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”ان کی اچھی طرح تحقیقات کرو، اگر وہ انگریزوں یا ان کی عورتوں اور بچوں کے قاتل ہوں یا ان کے قتل کے معاون ہوں تو ان کو موت کی سزا دو۔ لیکن کسی شہزادہ کے ساتھ اس طرح پیش نہ آؤ جس طرح ہڈن صاحب اپنے کشتوں کے ساتھ پیش آئے۔“

سر جان لارنس کے اس خط میں آخری فقرہ خاص طور سے قابل غور ہے سوچنا چاہیے کہ ہڈن صاحب اپنے کشتوں کے ساتھ کس طرح پیش آئے۔ کیونکہ اسکا ذکر تاریخوں میں کہیں نہیں پایا جاتا، سوائے ان زبانی بیانات کے جنہیں مقتول شہزادوں کا خون پینے اور انکا سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے پیش کرینکا حال ہی سر جان لارنس کی اس تحریر سے ان زبانی بیانات کی صداقت پر روشنی پڑتی ہے۔

نواب جھجر اور راجہ بلب گڑھ کی نسبت لکھتے ہیں:-

”ان کو اپنی جنگی صولت جو خون نشانی سے خالی ہو دکھا کر مطیع کرو، اور ان کے ساتھ انصاف کر لے کا وعدہ کرو۔“

سر جان لارنس کی اس تحریر پر عمل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے خون بہانے سے روکا تھا، مگر ان دونوں کو بچھانسیاں دیدی گئیں۔

پھر ۲۶ ستمبر کو جنرل لون کے نام لکھے ہیں:-

”میں نہیں خیال کرتا کہ اگر شہر کے باشندے اپنے گھروں میں پس آجائیں گے تو آپ کو اس بات کا خوف پیا ہو گا کہ دہلی پر کسی طرف سے حملہ ہو جائے گا، کیونکہ ہماری ۵۰ برس کی حکومت کے عرصہ میں کبھی انہوں نے سرتابی نہیں کی، اگر

ہماری اپنی فوج نے غدر نہ مچایا ہوتا تو وہ اور ۵۰ برس تک خاموش رہتے، میں ان تمام مصائب سے قطع نظر کر کے جو باشندگانِ دہلی کو پیش آئے۔ یہ کہتا ہوں کہ اگر کشمیری دروازہ پر چند سر لٹکا دیے جائیں تو پھر کسی طرح کا خوف و خطر نہیں ہے۔

دہلی کے فتح ہونے کے دن روز بعد ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انہوں نے مشربن فوجی گورنر دہلی کے نام یہ خط لکھا:-

”شہر کے باشندوں کی نسبت میری یہ رائے ہے کہ جب قلعہ کی محافظت کا بندوبست خاطر خواہ ہو جائے تو ان کو رفتہ رفتہ احتیاط کے ساتھ شہر میں واپس بلا لینا چاہیئے۔ شہر کے ڈرائے کے لئے چاندنی چوک کے سامنے جو پھاٹک ہے اس پر توپ خانہ کے لگانے سے سب طرح اطمینان رہے گا۔ باغیوں کے غمخیز ہیں ان کو پھانسی دی جائے، مگر اور لوگوں کے ساتھ نرمی برتنی چاہیئے۔ ۹۰ فی صدی باشندوں کو اس غدر سے کچھ علاقہ نہ تھا، اگر ان سے ہو سکتا تو وہ ہماری مدد کرتے۔ ہم خود اپنی حماقت اور کمزوری کے سبب ان کی حفاظت نہ کر سکے۔ ورنہ ان کو مجبور کر کے بغاوت میں شریک نہ کیا جاتا۔“

چارلس سانڈرس صاحب کمشنر دہلی کو ۲۱ اکتوبر کے خط میں لکھا:-

”مناسب شرطوں کے ساتھ شہر کے تمام باشندوں کو واپس بلا لینا چاہیئے۔ اب سب سے زیادہ تکلیف عاجز و بے قصور باشندوں ہی کو ہے۔“

نیول چیمبرلین کے نام ۸ اکتوبر کو لکھتے ہیں:-

”میں کسی طرح اس بات کی صلاح نہیں دیتا کہ شہزادے یا اس قسم کے مفید تحقیقات قتل کیے جائیں، ان کو تحقیقات کا موقع دینا چاہیئے۔ بوڑھا بادشاہ اگر بھاگ گیا ہوتا تو اس کو گولی سے اڑانا واجب تھا۔ لیکن جبکہ وہ بھاگا نہیں تو میں یہ رائے نہیں دیتا۔ میری رائے یہ ہے کہ بادشاہ نے مقصداً وقت کے موافق کام کیا۔“

جامع مسجد کو ڈھا دیا اگر جاننا دو

دہلی کے اکثر انگریز یہ چاہتے تھے کہ جامع مسجد کو ڈھا دیا جائے یا اس کو گر جاننا دیا جائے، اور سنگ مرمر کے مصلوٹوں پر ان انگریزوں کے نام کندہ کیے جائیں جو عند میں مارے گئے تھے، اس معاملہ میں ہر انگریز کو اصرار تھا کہ جامع مسجد کو گر جاننا یا توڑنا بہت ہی ضروری ہے، کیونکہ یہ مسجد ہندوستان کے مسلمانوں کا مذہبی دل ہے۔ اس کے مہار کرنے یا گر جانے سے تمام مسلمان ہندوستان کے دل پر ضرب پڑے گی جس کی اظہار غلبہ و اقتدار کے لئے سخت ضرورت ہے، اس واسطے سر جان لارنس کے پاس بکثرت تحریریں جاتی تھیں اور انکو جامع مسجد کے فیصلہ کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا، چنانچہ برن صاحب کے جواب میں سر جان لارنس نے لکھا:-

”اس باب میں کسی طرح رضا مند نہیں ہوں گا۔ مذہبی عمارتوں کے انہدام سے ہم کو احتراز کرنا چاہیے۔ یہ کام نہ دوستوں کی خوشی کے لئے مناسب ہے نہ دشمنوں کی آزادی کے لئے زیب دیتا ہے۔“

بہت سے انگریز کہتے تھے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے اور جامع مسجد کو تو گر جاننا بہت ہی ضروری ہے۔ اس کے میناروں پر صلیب لگائی جائے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جو انگریز مسجد کو دوبارہ مسلمانوں کے حوالہ کر دینا چاہتے ہیں وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ جامع مسجد کے معاملہ میں فی فیٹار انگریزوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا جس میں دہلی اور پنجاب کے تمام انگریز شامل تھے یہاں تک کہ وہ خود سر جان لارنس کے پاس گئے اور ان کو مجبور کیا کہ جامع مسجد کے معاملہ میں آپکو ہمارے موافق رائے دینی چاہیے۔ تو سر جان نے بہت

نرمی سے دلیلیں بیان کرنی شروع کیں، اور جامع مسجد کو توڑنے یا اگر جاننا کی مخالفت کی لیکن جب اس نرمی اور دلیل بازی کا انگریزوں پر کچھ اثر نہ ہوا تو وہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے کہا:-

”میں یہ رائے ہرگز نہ دوں گا، بہت سے ایسے امور ہیں جنکے لیے تم اصرار کر سکتے ہو، لیکن جامع مسجد کے بارے میں مجھ سے کبھی اصرار نہ کرنا۔ مناسب یہی ہے کہ مجھے اس معاملہ میں مجبور کرنے کی تکلیف نہ دی جائے۔“

لارڈ کیننگ کو لگتے ہیں۔ اس وقت جبکہ دہلی میں پرائمری سکول کی لوٹ مار جاری تھی۔ اگر جناب اس کو شہر کی حیثیت سے قائم رکھنا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک پرائمری سکول کی کارروائیوں کو روکنا چاہیے، جب تک ہندوستانی باشندوں کے جان و مال کی محافظت نہیں کی جائے گی تب تک من و امان کا قائم ہونا دشوار ہے، جو لوٹ مار اس وقت برابر ہو رہی ہے اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمام ہندوستانی آشفستہ و برہم ہو جائیں گے اور ہمارے اور ان کے درمیان اس وقت جو خضم پڑا ہوا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اور کشادہ ہو جائے گا۔

اسی زمانہ میں انہوں نے لارڈ الفسٹن کو لکھا:-

”اگر دہلی میں مارشل لا اور پرائمری سکول موقوف کر دی جائے تو بخوبی اصلاح ہو سکتی ہے۔“

پھر اسی زمانہ میں جنرل پنی کو بڑے زور کے ساتھ لکھتے ہیں:-

”اگر ہم سے اعلیٰ دماغی کارروائیاں نہیں ہو سکتی ہیں تو بھی معمولی پالیسی کے اعتبار سے ہم پر لازم ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو ظلم و تعدی سے باز رکھیں۔ اگر ہم سزا دینے میں دوست دشمن کی تمیز نہ کریں گے تو تمام ہندوستان ہمارا مخالف ہو جائیگا، اور ملک کے گوشہ گوشہ میں ہمارے لڑائیاں شروع ہو جائیں گی،

اور جب ہندوستان اس قدر گرم ہو گیا تو ہمارا اس ملک میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔
 اس خط کا بہت اچھا اثر ہوا چنانچہ اس کے ایک ہفتہ کے بعد جنرل پنی کو لکھتے ہیں۔
 ”میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے لوٹ مار کے روکنے میں بہت جلد کاروائی
 کی۔ مجھے اس بات کے سننے سے نہایت افسوس ہوا کہ ہمارے ملک کے لوگ
 بے سبب ہندوستانیوں کو مار ڈالتے ہیں، حالانکہ ان کو اس کے اختیار
 نہیں ہیں کہ مجرم و بے جرم لوگوں میں سزا دیتے وقت کچھ تمیز نہ کریں۔“

جب انہوں نے دیکھا کہ میرے لکھے کا افسران دہلی پر اثر نہیں ہوتا تو وہ
 خود ۲۴ فروری ۱۹۴۷ء کو دہلی میں آئے اور یہاں اگر پہلا کام انہوں نے یہ کیا
 کہ دہلی کے تمام خاص خاص افسروں کو اپنے پاس بلایا جن میں چارلس
 سائڈرس فلپ ایجرٹن، نینول چیمبرلین وغیرہ بھی تھے اور ان کو مخاطب کر کے نہایت
 نرمی سے حسب ذیل تقریر کی:-

”میں تسلیم کرتا ہوں کہ خاص خاص حالتوں میں شر و فساد روکنے کے لئے خاص
 خاص تدبیریں جائز تھیں، لیکن اب ان تدبیروں کا زمانہ گزر گیا، اب تو اس
 بات کی ضرورت ہے ہندوستانیوں میں امن و امان قائم کیا جائے اور
 ان کے دلوں میں اپنا اعتماد جمایا جائے۔“

اس کے بعد ہی انہوں نے لارڈ کیننگ کو تار دیا جس کے الفاظ یہ تھے:-
 ”جن افسروں کو پچھانسی دینے اور رہا کرنے کا اختیار دیا گیا تھا انہوں نے
 اپنے اختیار کو بری طرح استعمال کیا، لہذا مجھ کو ان کے اختیارات
 سلب کرنے کی اجازت عنایت فرمائیے، تاکہ گورنمنٹ کی منظوری کے
 بغیر کوئی کسی کو موت کی سزا نہ دے سکے۔“

دہلی میں اس بڑے عزیز سکرٹری رچرڈ ٹیلر آگئے تھے، انہوں نے حالات

کا مشاہدہ کر کے ان کے پاس حسبِ قیاس رپورٹ بھیجی۔

”شہر میں بالکل امن و امان ہے۔ خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن لوٹ مار و خونریزی اب تک جاری ہے، ہندوستانیوں کے رنگ فق ہیں وہ اب بھی کثرت سے گرفتار ہوتے ہیں اور اکثر بھانسی پاتے ہیں یا قید کئے جاتے ہیں۔“
 غرض وہ مارچ کے تیسرے ہفتے میں دہلی سے روانہ ہو گئے، اور مسلمانوں کو شہر میں آنے کی اجازت دے گئے، اور جنرل کمانیر کو مسلمانوں کی محافظت کی سخت تاکید کر گئے، جامع مسجد مار نہیں ہوئی، شہر کے باشندے جلاوطن نہیں کیے گئے، اور یہ خواہش پوری نہیں ہوئی کہ دہلی کی تاریخی یادگاروں پر ہل چلا دیا جاتا، ایک انگریز لکھتا ہے:-

”جس طرح روم کے قیصروں نے شہر کا ریتھج اور کورنٹھ کو مسمار کر کے لعنت کے طوق اپنی گردنوں میں ڈالے تھے، اسی طرح انگریزوں کی گردنوں میں بھی دہلی کو مسمار کر کے جیشہ کے لئے وہ لعنت کے طوق پڑ جاتے مگر سر جان لارنس نے اس دوامی بدنامی سے انگلش قوم کو بچا لیا جب ان کے اس پاس بیٹھنے والے انکو سختی پر مجبور کرتے تو وہ کہتے تھے، کیا میں ہندوستانیوں کو مار ڈالوں؟ کیا میں اس شہر کو جو مینوا کے مقابلہ کا ہے نہ بچاؤں؟“ ایک دوسرا انگریز لکھتا ہے:-

”انگلش قوم میں اور کل شہنشاہی اقوام میں ایک فرقہ ایسا ہوتا ہے جس کی صورت تو انسانوں کی ہوتی ہے اور سیرت درندوں کی۔ ان کا میلان طبع یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو مغلوب قوم کو خوف زدہ کیا جائے، اگر سر جان لارنس نہ ہوتے تو دہلی کی جامع مسجد ایک ٹوٹا ہوا ڈھیر ہوتی جہیں جانوروں کے بلوں اور گھونسلوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔“

۲۵ نومبر کو لارڈ افسٹن گورنر بمبئی نے سر جان لارنس کو لکھا:-
 دہلی فتح ہونے کے بعد دوست دشمن میں کچھ تمیز نہیں کی گئی۔ دہلی میں نادرو
 شاہ کے وقت سے بھی زیادہ لوٹ ہوئی۔
 سر جان لارنس نے جو رپورٹ گورنمنٹ ہند کو بھیجی تھی اس میں ایک یہ فقرہ
 ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے خدا پرست تھو:-
 "ہمارے اور باغیوں کے سر پر ایک عادل فرمانروا ہے، اسی کے فضل و
 کرم سے یہ آئی ہوئی بلا ٹلی ہے، پس جب خدا نے ہم پر رحم کیا، ہم کو بھی اس کے
 بندوں پر رحم کرنا چاہیے۔"

بہادر شاہ کا انجام

قبضہ مختصر سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سپہیں مارا گیا بلکہ چند
 روز ایک مقدمہ کی کارروائی کر کے ان کو رنگون بھیجا گیا۔ زمینت محل بیگم اور
 تاج محل بیگم اور جواں بخت ان کے ساتھ بھیجے گئے، ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے
 ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء تک بہادر شاہ کی بادشاہی میں اس طرح کی حکومت ہوئی کہ پہلا حکم
 بادشاہ کی طرف سے یہ صادر ہوا کہ گائے کا ذبح کرنا بند کیا گیا۔ ۹ جولائی
 ڈھنڈورا پٹوایا گیا کہ جو شخص گائے ذبح کرے گا وہ توپ کے گزے اڑایا جائیگا۔ اس کے بعد
 یہ حکم صادر ہوا کہ بقر عید کے موقع پر بھی کوئی شخص گائے کی قربانی نہ کرنے پائے۔
 چار مہینے تک گائے قصاب اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے، اگر ان میں
 سے کوئی شخص باہر نکلتا تھا تو ہندو سپاہی اس کو پکڑ کے ذبح کر ڈالتے تھے اور
 کہتے تھے تجھ طرح تم ہماری گائے کو ذبح کرتے ہو تمہیں ذبح کرتے ہیں۔
 اس کے بعد بادشاہ سے حکم جاری کرایا کہ شہر کا ڈالاؤ اور کوڑا جویلوں پر لا د کر

کھیت بنی ڈالنے کے لئے حلال خورے جاتے ہیں وہ آئندہ گدھوں پر لد کر جایا کرے
 بیلوں کی گائے سے قربت داری ہے، اور ڈلاؤ لادنے میں بیلوں کی توہین ہوتی
 ہے، چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا، حلال خوروں نے اپنے بیل بیچ ڈالے اور انکے
 بدلے گدھے مول لے لئے مسلمانوں کو یہ احکام ناگوار گزرے اور انہوں نے
 کہا یہ اسلام کی بادشاہی نہیں یہ تو ہندوؤں کا راج ہے چنانچہ مولوی محمد
 نامی ایک شخص نے جامع مسجد دہلی میں جہاد کے لئے محمدی جھنڈا اکھڑا کیا۔ اس کی
 خبر بادشاہ کو ہوئی، انہوں نے مولوی صاحب کو بلا کر پوچھا کہ اگر نیرتو اب
 شہر میں باقی نہیں رہے یہ جھنڈا کس کے واسطے لگایا ہے۔ مولوی صاحب
 نے جواب دیا ہندوؤں کے لئے۔ جنہوں نے آپ کو اپنا تابعدار بنا لیا ہے،
 بادشاہ نے ان کو سمجھایا کہ تمام باغی فوج ہندو ہے، مسلمان ان سے لڑ نہیں
 سکتے، آخر ہزار وقت یہ جھنڈا اکھڑا یا گیا۔

شہر میں انتظام کی یہ حالت تھی کہ اکثر بازار بند رہتا تھا۔ کھاری باولی چاندنی
 چوک۔ دریا۔ جاوڑی میں اکثر دوکانیں دن دھاڑے لٹ جاتی تھیں، اس کی
 شکایت بادشاہ سے کی گئی کہ دوکانیں اکثر بند رہتی ہیں اور ضرورت کی چیزیں
 دستیاب نہیں ہوتیں، بادشاہ ان کی درخواست کے موافق خود ہاتھی پر سوار
 ہو کر بازار میں نکلے، شاہی جتہ۔ شاہی مراتب شتری زنبورکیں، اگر لئی اور کالی
 پلیٹیں جلوس میں ساتھ تھیں، سینکڑوں تلنگے دھوتیاں باندھے غول کے غول
 سواری کے آگے آگے بہادر شاہ بادشاہ کی بجے۔ دین دنیا کے گتیاں کی بجے
 پکارتے جاتے تھے، شاہی نقیب احکام سناتے جاتے تھے کہ دوکانیں
 کھولو۔ سواری کے پیچھے ترک سواروں کا جمگٹا تھا، جو اللہ اکبر کے نعرے لگاتے
 تھے، اس جلوس کا اثر یہ ہوا کہ بازار کھل گیا،

غدر سے پہلے ڈھنڈورا اس طرح بٹیا جاتا تھا کہ نثارہ پرچوب لگا کے ڈھنڈو پیچا
 اول یہ کہتا تھا "خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا۔ حکم سرکار کہنی بہادر کا۔" غدر کے بعد
 حکم سرکار کہنی کا لفظ اڑا دیا گیا اور اس کی جگہ حکم بادشاہ داخل ہو گیا۔

تلنگوں کے مظالم

باغی سپاہی مختلف اسباب سے باشندگان شہر کو قتل کرتے تھے، کسی کو عیسائی
 سمجھ کر اور کسی کو انگریزوں کا جاسوس خیال کر کے، سیٹھ بدری چند ڈپٹی انپکٹر مدراس
 دہلی کو جو بڑے بچے سراؤ گی ہندو تھے، عیسائی سمجھ کر مار ڈالا کیونکہ وہ انگریزی کوٹ پتلون
 پہنتے تھے، ایک کشمیری پنڈت موہن لال نامی مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے
 اپنا نام آغا حسن جان رکھا تھا مگر وہ بھی کوٹ پتلون پہنتے تھے، تلنگوں نے انکو کرٹان
 سمجھ کر کچلا اور قتل کرنا چاہا لیکن اتفاق سے میاں نظام الدین صاحب شہتی نظامی وہاں
 تشریف لے آئے اور انہوں نے پنڈت جی کے مسلمان ہونے کی شہادت دیکر جان بچائی۔
 بعض شہری آدمی اپنی ذاتی عداوتوں کے سبب تلنگوں سے جا کر کہتے کہ فلاں گھر میں
 انگریز چھپے ہوئے ہیں، تلنگے اس گھر پر چڑھ دوڑتے اور تلاشی لیکر گھر کو لوٹ لیتے
 چنانچہ ریاست بلور کے ملازم قاضی پنونا می کے سگے بھانجوں نے ذاتی عداوت کے
 سبب جھوٹی بخبری کر کے پچارے ماموں کو بے گناہ قتل کر دیا اور اسکا گھر لٹوا یا۔ ۱۲ مئی
 کو نواب حامد علی خاں کی بیٹی بابر شاہ کے خاص مقرب بھوپورٹ کی لگی کہ ان کے گھر میں فرنگی
 پوشیدہ ہیں تلنگوں نے نہایت بھڑکتی سے نواب صاحب کو گرفتار کیا اور کشاں کشاں قلعہ میں
 بادشاہ کے سامنے لائے بادشاہ نے مرزا ابوبکر کو نواب صاحب کے گھر بھیجا کہ تلاشی لو۔ اگر
 کوئی انگریز وہاں پوشیدہ ہے، تب تو بیخدا وار ہیں ورنہ انکو چھوڑ دیا جائے۔ تلاشی میں
 کوئی انگریز نہیں نکلا اس لئے نواب صاحب چھوڑ دیے گئے۔ ۱۳ مئی کو نواب داس ہنر والہ کے

متعلق اطلاع آئی کہ اس کے گھر میں انگریز چھپا ہے، تلنگے گئے مکان کی تلاشی لی اور دو انگریز دستیاں ہوئے جنکو قتل کر دیا گیا اور لالہ کا مکان لوٹ لیا گیا، اسی طرح ایک درزی کے گھر سے تین انگریز لٹکائے گئے اور قتل کیے گئے اور اسکا گھر لوٹا گیا۔ غرض اس شبہ میں دو چار آدمیوں کی کنبختی روزانہ آتی تھی۔

باغیوں کا محکمہ جاسوسی

باوجود جاہل ہونے کے باغیوں کا محکمہ خبر رسانی بہت اعلیٰ درجہ کا تھا، اُن کو شہر کی خبریں بہت صحیح ملتی تھیں اور وہ جانتے تھے کہ دہلی میں کون کون لوگ انگریزوں کے سازش رکھتے ہیں اور اُن کو خبریں بھیجتے ہیں، اور ان کی فوج کے لئے رسد کا سامان ہتیا کرتے ہیں، چنانچہ اس شبہ میں اُنہوں نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا جن میں سے بعض مارے گئے اور بعض شاہی سفارش سے چھوڑ دیئے گئے چنانچہ مان سنگھ اور نواب علی جو دہانی انگریزی خبر تھو گرفتار کیے گئے مگر شہزادوں نے سفارش کر کے چھڑا لیا، بادشاہ کے وزیر محبوب علی خاں اور حکیم حسن اللہ خاں اور حکیم زینت محل کی نسبت بھی انکو جاسوسی کا شبہ تھا، چنانچہ محبوب علی خاں اور حکیم حسن اللہ خاں بھی گرفتار کیے گئے مگر بادشاہ کی سفارش سے بمشکل رہائی پائی، راجہ اجیت سنگھ مہاراجہ پٹیلہ کے چچا دہلی میں رہتے تھے ان کو دو دفعہ گرفتار کیا گیا اس الزام میں کہ وہ پٹیلہ اور انگریزی فوج کے پاس خبریں بھیجتے ہیں، مگر بادشاہ کی سفارش سے راجہ جسا بھی رہا ہو گئے بلدیو سنگھ نامی ایک شخص کو جو کوٹیاہل پر رہتا تھا بخبری کے الزام میں گولی سے قتل کیا گیا اور اُس کی لاش کو توبہالی کے سامنے اکٹھی لٹکائی گئی۔ پیار لال مدرس کو بخبری کے الزام میں توبہالی ڈکڑا دیا گیا۔ رائے رام سرن داس ڈپٹی کلکٹر کے رشتہ داروں کے گھر بخبری کے الزام میں توٹ گئے، کنھیالال حیدر آبادی اور میر حسن علی وکیل پٹیلہ بھی بخبری کے الزام میں گرفتار ہوئے کشمیری اور موری دروازہ کے نان بائوں کو اس جرم میں مار ڈالا گیا کہ وہ ڈبل روٹیاں

پکا کر پہاڑی پر انگیزیوں کو بھیجتے ہیں، نواب محبوب علی خاں، اور حکیم حسن اللہ خان برونانہ طرح طرح کے الزام لگائے جاتے تھے، کبھی یہ کہ انہوں نے چوڑی والوں کا میسرین اڑا دیا، کبھی یہ کہ وہ انگیزیوں کے پاس میسرین بھیجتے ہیں، کبھی یہ کہ انہوں نے سلیم گڑھ کی توپوں میں لکڑی بھر کر وادیوں کو بھیجی یہ کہ انہوں نے توپوں میں مینیں ٹھکوا دیں، لیکن ان دونوں کے حلف اٹھانے اور بادشاہ کے بار بار سفارش کرنے سے ابھی جانیں چھٹیں۔ حقیقت ان لوگوں کی بڑی قسمت تھی کہ غدر میں تو باغی ان پر شبہ کرتے تھے اور غدر کے بعد انگیزیوں نے ان پر شبہ کیا اور حوالات میں مقید رکھا۔

تنگوں کی لوٹ مار!

گامی خاں پنجابی شہر کا ایک مشہور بد معاش تھا۔ پیچھے اسکا بہت ذکر آیا ہے۔ اس نے انگیزیوں کے ہاتھوں بہت لوگوں کو ظلم کرایا تھا، لیکن غدر میں یہ باغیوں کی ناک کا بال بنا ہوا تھا اور ان کے ہاتھ سے شہر والوں کو ظلم کراتا تھا چنانچہ اس نے اپنے ہی بھائی بسندوں ولی محمد حسین بخش قطب الدین کی دکانوں کو تنگوں کے ہاتھ سے لوٹا دیا۔ سب سے بڑے پنجابی سوداگر دہلی میں ہی تین تھے۔

غرض بچارے دہلی شہر کو ہم جیسے اور چار دن اس بادشاہی میں بھی کسی طرح کا آرام چین میسر نہ تھا، اور اس کی جانکشی انگیزیوں کے دہلی فتح کرنے کے بعد سے نہیں بلکہ امری سے شروع ہو گئی تھی جس دن کہ باغیوں کا اس شہر پر قبضہ ہوا تھا۔

نتیجہ

ان تمام حالات پر مورخانہ و دور اندیشانہ غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امن بہت بڑی دولت ہے اور بے امنی میں بڑی سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آج جو لوگ

انگریزوں کو اس ملک سے بزور قوت بازو نکال دینا چاہتے ہیں اُن کو ذرا تھکیے میں بیٹھ کر یہ خواب پڑھ لینی چاہیئے، اُس وقت اُن کو معلوم ہوگا کہ جذباتِ عارضی سے مشتعل ہو جانا اور آنکھیں بند کر کے کوئی کام کر بیٹھنا بیگناہوں پر کیسی کیسی تباہیاں لاتا ہے۔

میں اُن لوگوں میں ہوں جو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا سے ہتھیاروں کی قوت کو اور لڑائی بھڑائی کے جذبات کو دور کر دینے کے آرزو مند ہیں، اس واسطے یہ کتاب کسی قوم یا فرقہ کے خلاف نہیں سمجھنی چاہیئے، اس کا مقصد تحریرِ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ انسان دردناک اور موثر مصیبتوں کا حل طرِ پُرکیران حرکات اور خیالات اور ارادوں سے باز آجائے جو امنِ نسکی کا باعث ہوتے ہیں۔

بتاریخ ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء یومِ چہار شنبہ کو ظہر کے بعد یہ کتاب شروع کی گئی تھی اور آج ۱۶- اپریل یومِ یک شنبہ دن کے سوا دس بجے اس کی تحریر پوری ہوئی۔ الحمد للہ۔

حسن نظامی

اشاعتِ ثانی!

مئی ۱۹۲۲ء میں یہ کتاب پہلی بار شائع ہوئی تھی چھ ماہ کے بعد اب دسمبر ۱۹۲۲ء میں دوسری بار چھپتی ہے جو اس کی غیر معمولی مقبولیت کی علامت ہے۔

حسن نظامی

(۲۰ دسمبر ۱۹۲۲ء)

